www.urducouncil.nic.in
دسمبر 2015، قیمت: -/10 روپے

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

اُردو دُنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:3 شمارہ:12 دسمبر2015

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	----------	05
سیرتِ پاکؐ	پیارے نبیؐ	شہاب الدین قاسمی	06
مضمون	شیر میسور ٹیپو سلطان	فیاض احمد	10
نظمیں	بچہ میل	سعدیہ صدف	15
	چلو چلیں اردو میلہ	شیخ ذاکر الدین ذاکر	16
کہانیاں	آ گیا فیور	ضیاءالرحمٰن جعفری	17
	پنچ تنتر کی کہانی	غلام نبی خیال	18
	مُحرم سو جاؤ!	راحت روش	21
	آؤ محنت کو ایمان بنائیں!	سراج فاروقی	24
نظمیں	لایا ہوں میں لیمن چوس	مناظر حسن شاہین	28
	جنگل میں مشاعرہ	احمد امام	29
سائنس کی الف لیلہ	دھوئیں سے روشنی	سکٹف اور سکٹف	30
شخصیت	فاتح انٹارکٹک: ڈاکٹر ظہور قاسم	محمد خلیل	36
قسط وار ناول	اُلٹا درخت	کرشن چندر	41
کہکشاں	چمن چمن کے پھول	----------	51
	زریں اقوال	----------	53
	معلومات کی کسوٹی	انصاری محمد انس	54
	ذہنی ورزش	----------	56
	ہنسی کے غبارے	----------	57
ننھے فنکار	رزق کی بربادی	سحر اسعد	58
	بچوں کی پینٹنگ	----------	60
	اردو فیس بک	----------	62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! اس سال کا آخری مہینہ دسمبر نہ صرف عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے لیے اہمیت کا حامل ہے کہ ہمارے پیارے نبیؐ کی تاریخ پیدائش 12 ربیع الاول اسی ماہ کی 24 تاریخ کو ہے جس کی مناسبت سے بھی بہت سے لوگ جشن میلاد النبیؐ مناتے ہیں اور اسی ماہ کی 25 تاریخ کو تقریباً دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے جن کی یاد میں ہمارے عیسائی بھائی بڑے جوش وخروش اور عقیدت واحترام کے ساتھ کرسمس مناتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ دونوں نے دنیا کو محبت، اخوت اور امن وشانتی کا پیغام دیا۔

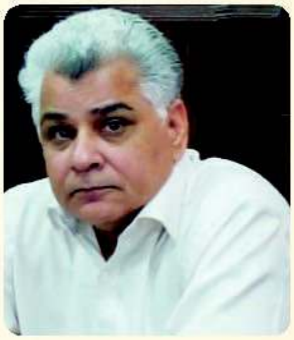

ہم اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ساری دنیا کے انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ آج پوری انسانیت کشمکش اور خلفشار میں مبتلا ہے۔ اس کا علاج صرف اور صرف محبت اور امن وسلامتی میں پوشیدہ ہے۔ ہمیں مذہب یہی سکھاتا ہے کہ ہم آپس میں مل جل کر رہیں اور نہ صرف ملک بلکہ دنیا میں اتفاق واتحاد کا ماحول قائم کریں۔ تعلیم وترقی کے ساتھ ساتھ ہم سب کو اپنے اخلاق وکردار میں محبت، خلوص، رواداری اور دردمندی کو جگہ دینے کی ضرورت ہے تبھی ہم اپنے معاشرے اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکیں گے۔

دوستو! آج ہم بھی ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہتے ہیں۔ تعلیم اور پیشہ ورانہ زندگی کی اس دوڑ میں آج سبھی لوگ شامل ہیں۔ آخر ہم آگے نکل کر کہاں جانا چاہتے ہیں۔ اس سوال کا جواب خود ہم بھی نہیں جانتے۔ آخر یہ مقابلہ کس لیے۔ یہ صحیح ہے کہ زندگی میں کچھ کرنے کے لیے مقابلہ ضروری ہے لیکن اس مقابلہ آرائی میں کہیں ہم خود اپنی شخصیت کو ہی نہ کھودیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنا مقابلہ اور محاسبہ خود اپنے آپ سے کریں کہ ہم گذشتہ کل اور آج کے مقابلے میں خود کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ ہمیں خود اعتمادی اور لگن ومحنت کے بل پر کامیاب ہونے اور خود کو بہتر انسان بنانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ہم نے خود کو سنوار لیا تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

'بچوں کی دنیا' میں ہم کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ زبان وادب، اخلاق وکردار، اتحاد واتفاق، تہذیب وتمدن، سائنس وٹکنالوجی، تاریخ وسماجیات وغیرہ سے متعلق معلومات دیں تاکہ آپ ان سے استفادہ کرکے اپنے مستقبل کو روشن کریں۔ تازہ شمارے میں بھی آپ کو دلچسپ کہانیاں، قیمتی معلومات سے مزین مضامین پڑھنے کو ملیں گے۔ آپ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کریں اور ہمیں خط لکھنا نہ بھولیں۔ 'بچوں کی دنیا' آپ کا رسالہ ہے اور ہمیں آپ کی پسند ناپسند کو بہرحال نظر میں رکھنا ہے۔ آخر میں آپ سب کو بچوں کی دنیا کی طرف سے میلاد النبیؐ اور کرسمس کی ڈھیر ساری مبارکباد! خوش رہیں، شاد رہیں آباد رہیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

□ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' باصرہ نواز ہوا۔ تازہ شمارہ اکتوبر 2015 کے بیشتر مشمولات بچوں کی نفسیات کے عین مطابق اور معلوماتی ہیں۔ امید ہے آپ کی ادارت میں مذکورہ رسالہ مزید نکھر کر سامنے آئے گا۔

مناظر حسن شاہین

گیا (بہار)

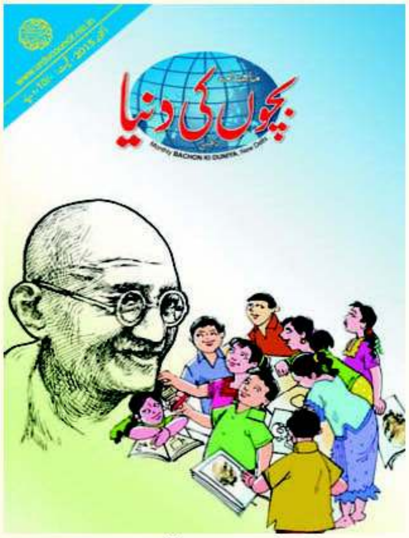

□ میں 'بچوں کی دنیا' کا شروع سے ہی مطالعہ کررہا ہوں۔ یہ رسالہ اپنی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں بچوں کی دلچسپیوں کا سارا سامان موجود ہے۔ میری دعا ہے کہ اردو کا یہ محبوب رسالہ ہر اردو والے کے گھر میں پہنچے۔

سید اسعد علی اسعد

بارسی ٹاکلی

□ 'بچوں کی دنیا' کو ایسا بنایا جائے کہ ماہنامہ 'کھلونا' کی کمی پوری ہوجائے۔ صفحات میں کچھ اضافہ کریں۔ 'بلا عنوان کہانی' کارٹون، مزاحیہ نظمیں، تصویری مقابلے، رنگ بھروانے کے علاوہ ہر شمارے میں 5 انگریزی الفاظ کے اردو متبادل اور پانچ اردو الفاظ کے معانی بھی شائع کریں۔

احمد ندیم

کلکتہ

□ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اکتوبر 2015 مجھے 25 ستمبر کو ہی مل گیا۔ بعد مطالعہ بہت خوشی ہوئی۔ کچھ ضروری باتیں گوش گذار کررہا ہوں۔ میں شروع سے ہی سالانہ خریدار ہوں۔ یہ شمارہ بھی گذشتہ شماروں کی طرح بیش قیمتی ہے۔ اچھی اور دلچسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین اور پیاری پیاری نظموں نے شمارے کو مزید جاذب نظر اور پرکشش بنادیا ہے۔

محمد اسد اللہ انصاری

فاطمہ منزل، مسجد روڈ، پوسٹ: ایٹ کھولا، آسام

□ اگست کے 'بچوں کی دنیا' میں ناچیز کی دو کہانیاں شائع ہوئی تھیں۔ ذاتی طور پر مجھ خاکسار کو کہانیاں شائع ہونے کے بعد کئی لوگوں نے مبارک بادی دی۔ بزرگوں نے اپنی دعاؤں سے نوازا۔ ان سارے التفات کے لیے میں خصوصی طور پر قومی اردو کونسل کا شکرگذار ہوں۔

محمد فروغ جعفری

67، ہڈکو کالونی، مالیگاؤں

شہاب الدین قاسمی

پیارے نبیؐ

پیارے بچو! مسلمانوں کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ کی پیدائش سے پہلے عرب کے لوگ جہالت اور بے راہ روی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ معمولی باتوں کی وجہ سے آپس میں لڑ پڑتے اور یہ سلسلہ کئی برسوں تک چلتا رہتا تھا۔ اولاد کو زندہ دفن کر دینے کا رواج عام تھا۔ لڑکیوں کی پیدائش اپنے لیے شرم کا سبب سمجھتے تھے۔ شراب و عیش پرستی کے دلدادہ تھے۔ چوری اور ڈاکہ زنی عام تھی۔ کسی شریف انسان کا ایسے گندے ماحول میں زندگی گزارنا مشکل تھا۔ ان حالات اور ایسے ماحول میں خدا نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بھیجا تاکہ دنیا والوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

آپؐ کی پیدائش 12 ربیع الاوّل کو خاندان ہاشمی کے معزز شخص عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کی اہلیہ بی بی آمنہ کے بطن سے ہوئی۔ والد ماجد حضرت عبداللہ اپنے لختِ جگر کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے ہی دنیا سے جا چکے تھے۔ عربوں میں یہ روایت چلی آرہی تھی کہ بچوں کی بہتر پرورش اور دیکھ بھال کے لیے ایسے علاقوں میں بھیج دیا کرتے تھے جہاں کھلی فضا اور خالص غذا میسر ہو۔ گویا اس زمانے میں غریب عورتوں کے لیے کمائی کا ایک بہترین ذریعہ تھا۔ اسی لیے عورتیں مالداروں کے بچوں کو لینا پسند کرتی تھیں۔ گاؤں کا قافلہ آتا

رہتا تھا۔ چنانچہ ایک قافلہ آیا اور تمام مالداروں کے بچوں کو پرورش کے لیے لے گئے جس میں محمدؐ بھی شامل تھے جو دائی حلیمہ سعدیہ کے نصیب میں آئے۔ والدہ ماجدہ نے اپنے نور نظر کو دستور کے مطابق کچھ دے کر حلیمہ کو رخصت کیا۔ حلیمہ نے بچے کو اپنے ساتھ اونٹنی پر بیٹھا لیا، چونکہ حلیمہ کی اونٹنی کمزور اور دبلی پتلی تھی اس لیے اس کی رفتار بھی سست تھی لیکن بچہ کی سواری کے بعد وہی اونٹنی جو جاتے وقت سب سے پیچھے رہ گئی تھی۔ اب وہ سب سے آگے تھی۔ یہ آپؐ کا دائی حلیمہ کے ساتھ سب سے پہلا معجزہ تھا۔ گھر پہنچنے کے بعد حلیمہ کی جو بکریاں دودھ نہیں دیتی تھیں وہ بھی دودھ دینے لگیں۔ حلیمہ سعدیہ بتاتی ہیں کہ جب میں محمدؐ کو دودھ پلاتی تو آپؐ ایک ہی طرف سے دودھ پیتے دوسری طرف اپنے رضاعی بھائی بہنو ں کے لیے چھوڑ دیتے۔ حلیمہ کے گھر میں برکتیں بڑھتی گئیں۔ 3 سال کی مدت میں حلیمہ نے بے شمار معجزات دیکھے۔ اسی دوران سینہ چاک ہونے کا بھی عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو آپ کی زندگی کا بہت اہم حصہ ہے۔ دائی حلیمہ نے 3 سال کے بعد آپ کو والدہ کے سپرد کر دیا۔ جب آپؐ چھ سال کے تھے تو بی بی آمنہ آپؐ کو لے کر میکے جا رہی تھیں اسی دوران والدہ کا مقام ابوا میں انتقال ہو گیا جس سے آپ کو کافی صدمہ ہوا۔ آپؐ اس وقت معصوم تھے۔ ابھی ماں کی ممتا سے بھی دل نہیں بھرا تھا لیکن آپ سمجھ رہے تھے اور آپ کی آنکھ سے آنسو جاری تھا کہ باپ کا سایہ تو دیکھا بھی نہیں اور جو ماں کا سایہ تھا وہ بھی اٹھ گیا۔

والدہ کے انتقال کے بعد دادا نے پرورش کی ذمے داری قبول کی اور اس ذمے داری کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ جب عبدالمطلب خانہ کعبہ کی مسند پر بیٹھتے تو اپنے یتیم اور لاڈلے پوتے محمدؐ کو ضرور اپنے ساتھ بٹھاتے اور کہتے کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر یہاں بیٹھے گا۔ 2 سال کے بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا لیکن اب بھی آپ کی عمر ایسی نہ تھی کہ کسی سرپرست کی ضرورت نہ ہو چنانچہ مشفق چچا ابوطالب نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ آپؐ ابوطالب کی پرورش میں رہنے

مسجد نبوی

لگے۔ چچا ابوطالب نے اپنے کاروبار میں بھی حصہ دیا۔ آپؐ نے سب سے پہلے تجارت کے لیے ملک شام کا سفر اپنے چچا ہی کے ساتھ کیا۔ سفر شام کے دوران نبوت کے آثار دیکھ کر یہودی عالم نے آپ کی نبوت کی پیشین گوئی کی اور آگے جانے سے روک دیا۔ آپؐ کی عمر مبارک 25 سال ہوئی تو اس وقت کی مشہور تاجر خاتون خدیجہ الکبریٰ نے آپؐ کی شرافت و دیانت سے متاثر ہو کر اور اپنے غلام سے آپ کی تعریف سن کر پیغام نکاح بھجوایا۔ آپؐ نے یہ جانتے ہوئے کہ خدیجہ مجھ سے 15 سال بڑی ہیں اور ان کا دو نکاح اس سے قبل ہو چکا ہے، قبول کیا اور ابوطالب نے دونوں کا نکاح پڑھایا۔

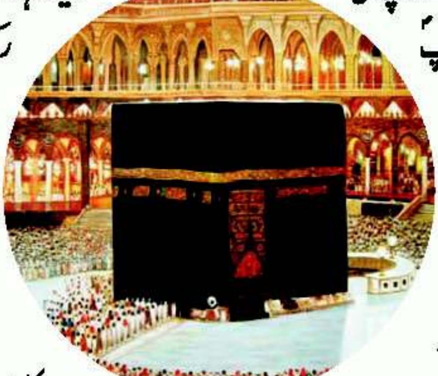

خدیجہ الکبریٰ عرب کی مشہور مالدار تاجر خاتون تھیں آپ نے حضرت خدیجہ کے کاروبار تجارت میں دلچسپی لی۔ آپؐ کی ایمانداری دیکھ کر لوگ انھیں سے تجارت کرنے کو ترجیح دیتے۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی۔ یہ سب دیکھ کر لوگ اپنی امانت بھی آپ ہی کے سپرد کرتے۔ یہ خوبیاں اتنی مشہور ہوگئیں کہ لوگ آپ کو صادق اور امین کہنے لگے۔ آپؐ گھریلو کام سے جب بھی فارغ ہوتے تو خدا کی یاد میں لگ جاتے یعنی آپ کا دھیان خدا کی طرف لگا رہتا اور اکثر اوقات تنہائی اختیار کرنے کے لیے غار حرا تشریف لے جاتے۔ اسی غار میں قرآن شریف کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ نبوت ملنے کے بعد سب سے پہلے آپؐ کی اہلیہ نے اسلام قبول کیا اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ بعد میں جب علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو وہی لوگ جو آپؐ کی صداقت و دیانت کی گواہی دیتے تھے، جھٹلانے لگے اور جانی دشمن ہو گئے۔ روز کوئی نئی تکلیف پہنچاتے۔ ایک مرتبہ ابوجہل چند لوگوں کے ساتھ ابوطالب کے پاس آیا اور کہا کہ محمد سے کہو وہ اپنا نیا دین چھوڑ دے اور اس کے بدلے اسے جو چاہیے ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج رکھ دیں تب بھی میں اس مقدس کام سے باز نہیں آؤں گا۔

مکہ میں اسلام کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا تو آپ نے طائف کا رخ کیا۔ طائف سعودی عرب کا ایک پرانا شہر ہے جو مکہ سے 90 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپؐ نے وہاں پہنچ کر سرداروں کو اسلام کی دعوت دی لیکن طائف کی زمین مکہ سے بھی سخت ثابت ہوئی۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بجائے اپنے شہر کے اوباش لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچا سکیں۔ یہ بچے آپؐ پر اینٹ پتھر برساتے اور پریشان کرتے۔ آپ کی جوتی لہولہان ہوگئی تو بستی سے نکل کر ایک باغ میں آرام کی نیت سے ٹھہر گئے۔ زید بن حارثہ جو آپؐ کے ساتھ اس سفر میں تھے وہ بتاتے تھے کہ یہ بچے جب آپ پر پتھر برساتے تو میں آپ کو اوٹ دیتا تا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو لیکن ان لوگوں نے بچوں کو اسی کام میں لگا رکھا تھا۔

اس دوران اللہ کے حکم سے دو فرشتے آئے اور ان دونوں فرشتوں نے اجازت چاہی کہ اگر آپ حکم دیں تو ان

دونوں پہاڑوں کو ملا دوں تاکہ پوری بستی ہلاک ہوجائے۔ آپؐ نے فرمایا یہ لوگ مجھے جانتے نہیں اگر جانتے تو میرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے اور کہا اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان کی نسلیں ایمان لائیں گی۔ اسی اخلاق کا اثر تھا کہ بہت سارے لوگ مسلمان ہوجاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے ایک دشمن نے موقعہ پاکر آپؐ پر حملہ کردیا لیکن جلد ہی آپؐ نے اس پر قابو پالیا اور اسے معاف کردیا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص ہمیشہ کے لیے آپ کا غلام ہوگیا۔

جب طائف والوں نے آپؐ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپؐ مایوس ہوکر طائف سے مکہ واپس آگئے۔ مکہ میں آپؐ نے ایک اور کوشش کی کہ شاید اب یہ لوگ اسلام قبول کرلیں اور اس امید سے گلی کوچوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے لیکن خدا کی قدرت دیکھیے کہ ایمان اور اسلام کے جو بیج آپؐ نے مکہ اور طائف میں بوئے تھے وہ مدینہ میں بارآور ہوئے۔ دلوں میں غرور وتکبر نہیں تھا۔ ان کا دل ضد اور اکڑ سے پاک تھا۔ اس لیے ان لوگوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ خدا کے حکم سے آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر ہجرت کے لیے رخت سفر باندھا۔ اسی ہجرت کے نام سے حضرت عمرؓ نے اسلامی کیلنڈر سنہ ہجری کا آغاز کیا۔ اسلامی تاریخ میں ہجرت کا واقعہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے کیونکہ مکہ کی 13 برسوں کی زندگی میں بھی اسلام کو وہ قوت حاصل نہیں ہوئی جتنی مدینہ کی دس سال کی زندگی میں ہوئی۔ مدینہ کے لوگ کھلے دل کے انسان تھے ان لوگوں نے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا نہ صرف والہانہ استقبال کیا بلکہ اپنے گھر، باغات اور کاروبار میں بھی برابر کا شریک ٹھہرایا۔ چونکہ مکہ سے ہجرت کرنے والے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے اس لیے ان لوگوں نے انھیں اپنے بھائی کی طرح وراثت میں حصہ دیا۔ اسی لیے وہ لوگ انصار کہلائے یعنی مدد کرنے والے۔ انصار مدینہ کے تعاون سے اور مکہ سے ہجرت کرکے آنے والے مہاجرین کے ذریعہ اسلام کا پیغام نہ صرف عرب میں بلکہ شاہان عجم تک پہنچا۔ آپؐ کئی اہم جنگوں میں شریک ہوئے ہیں لیکن آپؐ نے بھی کسی بوڑھے، بچے اور عورتوں پر حملہ نہیں کیا۔ آپؐ مجاہدین کو جنگ سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتے۔

آپؐ رحمۃ اللعالمین تھے۔ آپؐ کی شفقت نہ صرف انسان پر ہوتی تھی بلکہ جانوروں پر بھی تھی۔ آپ کی ذات بابرکت تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے باعث رحمت تھی۔ بچوں پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپؐ نماز شروع کرتے اور ارادہ ہوتا کہ نماز لمبی کروں، اچانک آپؐ کو کسی بچے کی رونے کی آواز آتی تو نماز مختصر کردیتے۔ آپؐ کی شفقت ورحمت اور حسن سلوک پوری دنیا کے لیے قابل تقلید ہے۔

بچو! تم نے دنیا کی ایک عظیم ہستی پیغمبر خداؐ کے بارے میں بہت کچھ سنا۔ انھوں نے مشکل حالات کا کس طرح سامنا کیا اور کبھی ہمت نہ ہاری۔ ہم بھی اگر اپنے منزل تک پہنچنے کے لیے عہد کرلیں تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

■

Md. Shahabuddin Rahmani Qasmi
D-41, JJ Colony Inderapuri
New Delhi - 110012
Email.:shahab.qasmi1@gmail.com
Mob.: 8826080282

فیاض احمد

شیر میسور ٹیپو سلطان کا اصل نام فتح علی تھا۔ ان کی پیدائش 1752 میں ہوئی تھی۔ والد کا نام حیدر علی اور والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا۔ ٹیپو سلطان بیک وقت حکمراں، عالم، مفکر، انجینئر، تاجر، زاہد، متقی اور پرہیزگار انسان تھا۔

حیدر علی نے ٹیپو کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی تھی۔ محض 5 سال کی عمر سے قرآن و حدیث، فقہ، کے علاوہ عربی، فارسی، کنڑ، سنسکرت اورفن سپہ گری وغیرہ کی تعلیم ٹیپو نے اپنے وقت کے بہترین اساتذہ سے لینی شروع کردی تھی اور بہت جلد وہ کم عمری میں ہی ایک باشعور نوجوان بن کر ابھرا۔ وہ نہایت محنتی، فرض شناس، ملنسار، خوش اخلاق اوردوراندیش انسان تھا۔

ٹیپو سلطان بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مصلح بھی تھا۔ اس نے سماجی اور معاشرتی برائیوں کوختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انھوں نے انسانوں کی بلی (قربانی) دینے کی رسم کوختم کیا۔ وہ عورتوں کو پورا جسم ڈھکنے کا حکم دیتا تھا۔ عورتوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگائی۔ شراب اور منشیات پر اپنے عوام کے لیے پابندی عائد کی۔ ان کا ایک اہم کارنامہ جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ ہے۔ اس کے دور میں کسان بلاواسطہ سرکار کو لگان ادا کرسکتا تھا اور فصل کی بھی اچھی قیمت اسے ملتی تھی۔ کسان کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ جب تک کسان زمین کو آباد رکھتا تھا۔ زمین کو اسی کی ملکیت مانا جاتا تھا۔

اگر کوئی کسان نئی زمین آباد کرتا تو تب تک اس سے لگان وصول نہیں کیا جاتا جب تک زمین سے فصل نہ اگے۔ مزدور طبقہ کافی خوش تھا۔ صنعت و حرفت میں بھی حکومت کے دور میں کافی ترقی ہوئی۔ حکومت میں لکڑی کا سامان، مٹی کی مصنوعات، صندل، قالین، ہاتھی دانت کا کام، نمک بنانا، کاغذ پر سونے کا پانی چڑھانا، ریشم و روئی کی مصنوعات، سکے ڈھالنا، اور تعمیرات وغیرہ میں بھی کافی ترقی ہوئی۔

ٹیپو سلطان کا عدالتی نظام تو بہترین تھا۔ اس میں پنچایت سے لے کر صدر عدالت تک کا انتظام تھا۔ اگر کوئی نچلی عدالتوں کے فیصلے سے خوش نا ہوتا تو وہ صدر عدالت سے رجوع کر سکتا تھا جس کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا۔ صدر عدالت میں دو منصف ہوتے تھے ایک مسلمان اور دوسرا ہندو۔ شہروں اور دیہاتوں میں شرعی عدالتیں قائم کیں جس میں مذہبی مقدمات کے لیے قاضی مقرر تھے۔ ہندوؤں کے خاص مقدمات کا فیصلہ شاستروں کی رو سے پنڈت کیا کرتے تھے۔ یہ واقعی ایک غیر فرقہ وارانہ نظام تھا جسے ہر خاص و عام نے سراہا اور خوش دلی سے تسلیم کیا تھا۔ اپنے

میسور پیلیس

تمام عوام دوست اصلاحات کی بنا پر وہ عوام کے دلوں پر بھی راج کرتا تھا۔

اس نے مختلف ممالک سے بہتر تجارتی رشتے قائم کیے اور دوسرے ممالک میں بھی اپنے تجارتی مراکز بنوائے۔ وہ کسی دوسرے ملک یا راجاؤں پر ہتھیاروں کے لیے منحصر نہیں تھا۔ اس نے خود ہتھیار بنانے کا کارخانہ لگوایا جہاں بندوقیں، گولہ بارود وغیرہ تیار کیے جاتے تھے۔ ایک فرانسیسی انجینئر کی مدد سے اس نے توپ بنانے کا کارخانہ بھی قائم کیا تھا۔ وہ ہندوستان کا پہلا میزائل مین بھی تھا اور غالباً ہندوستان کا پہلا راکٹ بھی اسی نے بنایا اور انگریزوں کے خلاف استعمال بھی کیا تھا۔

ٹیپو سلطان ایک بہترین معمار بھی تھا۔ کئی قلعے، سرنگاپٹنم کے محل کی مسجد، اولی، حیدر علی کا مقبرہ، دریائے دولت باغ محل کی منقش دیواریں وغیرہ اس کی فن تعمیر سے دلچسپی کے نمونے ہیں۔ اسے علم و ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے جمیع الامور نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی اور ایک بڑی لائبریری بھی بنوائی تھی جس میں ہر طرح کی کتابیں دستیاب تھیں۔

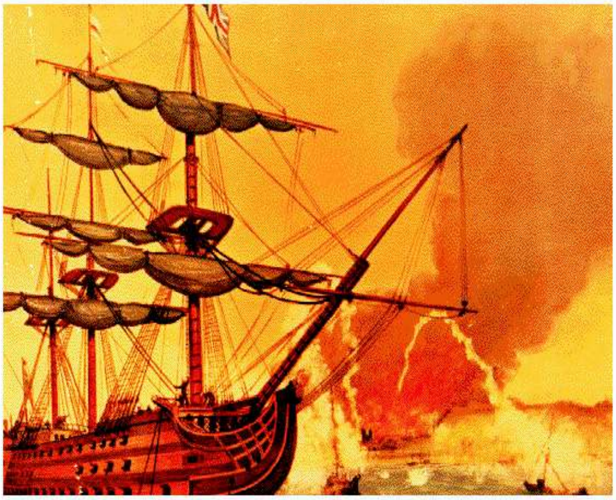

ٹیپو سلطان ایک زبردست اور دوراندیش حکمراں تھا۔ وہ یقیناً پہلا ہندوستانی حکمراں تھا جس نے بری فوج کے ساتھ ساتھ بحریہ کا قیام بھی ضروری سمجھا اور اس کا باضابطہ طور پر انتظام بھی

■ انگریزوں سے لڑائی کا منظر

کیا۔ اس نے ہندوستانی ساحلوں کی حفاظت کے لیے کئی بحری جہاز مامور کیے جس میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار عملے (Crew) شامل تھے۔ وہ غیر ملکی خطروں سے بخوبی واقف تھا اور اپنے ملک کو بچانے کی ہر ممکن کوشش اس نے کی۔ ایک طرف جہاں انگریزی فوج آسانی سے مختلف ریاستوں کو زیر کر کے آگے بڑھ رہی تھی وہیں جنوبی ہندوستان میں اپنے قدم جمانے میں انگریزوں کے پسینے چھوٹ گئے۔ پہلے حیدر علی اور بعد میں اس کا بہادر بیٹا ٹیپو سلطان ان کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑا تھا۔ انگریزوں کے ساتھ ان کی کل چار جنگیں ہوئیں۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے

■ ٹیپو سلطان کا جاری کردہ سکہ

■ ٹیپو سلطان کی جائے شہادت

تقریباً اڑتیس سال تک پورے شان و شوکت سے اپنی حکومت کو قائم رکھا اور پورے ہندوستان کو آزادی اور شجاعت کا پیغام دیتے رہے مگر افسوس اندرونی سازشیں، کرناٹک کے کٹھ پتلی نواب اور مرہٹوں کے علاوہ نظام نے بھی انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی اور ان کا ساتھ دیا اور اس طرح ٹیپو سلطان کی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ ٹیپو سلطان اگر چاہتے تو انگریزوں کی اطاعت قبول کر کے عیش کی زندگی گزار سکتے تھے مگر ان کا قول تھا: ''گیدڑ کی سوسال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔'' آخرکار 1799 میں میسور کی چوتھی جنگ میں انگریزوں سے ہندوستان کے اس بیباک اور بہادر بیٹے نے اپنی آخری سانس تک مقابلہ کیا اور اپنے مادرِ وطن کے لیے اپنی جان قربان کردی۔ ٹیپو سلطان کی موت کے بعد انگریزوں کے لیے ہر راہ آسان ہوگئی اور انھوں نے ہندوستان پر اپنے ناپاک قدم تقریباً دو سو برسوں تک جمائے رکھے۔

صد افسوس کہ تاریخ دانوں نے اس عظیم بادشاہ کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کیا اور انھیں وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ حق دار تھے مگر 1958 میں نسیم حجازی کے تاریخی ناول 'اور تلوار ٹوٹ گئی' اور 1976 میں بھگوان گڈوانی کی کتاب 'دی سورڈ آف ٹیپو سلطان' (The Sword of Tipu Sultan) نے صحیح معنوں میں اس عظیم انسان سے ساری دنیا کو متعارف کروایا اور ان کا حق ادا کیا۔ آج ٹیپو سلطان کو ساری دنیا میسور کے شیر کے طور پر یاد کرتی ہے۔

بچو! یاد رکھو بہادر کسی سے نہیں ڈرتے اور حق کے لیے اپنی جان تک قربان کردیتے ہیں!

■

Faiyaz Ahmad, Co: Mahmood Tailors
Street: South Bazar, P.O: Andal, - 713321,
Distt: Burdwan (WB)

سعدیہ صدف

بچہ میل

دیکھو بچہ میل چلی ہے　　بن بجلی، بن تیل چلی ہے
کھیلنے عمدہ کھیل چلی ہے　　چھک چھک چھک چھک ریل چلی ہے
فیض بنا ہے اِس کا انجن　　گارڈ کی وردی میں ہے درپن
ڈبے بنے ہیں ضویا، روشن　　ان کے پیچھے کومل، سمرن
منزل منزل جا کے رُکے گی　　سگنل پاکر آگے بڑھے گی
سیٹی بجا کر شور کرے گی　　دل والوں سے میل کرے گی
ہندوستاں کی شان یہ ٹھہری　　ایکتا کی پہچان یہ ٹھہری
پرکھوں کا ارمان یہ ٹھہری　　قدرت کا فیضان یہ ٹھہری
دیکھو بچہ میل چلی ہے
بن بجلی، بن تیل چلی ہے

Sadia Sadaf
67, Maulana Shaukat Ali Street
(Colootola St.) Kolkata - 700073
E-mail.: sadiasadaf1only@gmail.com,

چلو چلیں اردو میلہ

چٹو منو نیہا لیلیٰ
چلو چلیں سب اُردو میلہ

خوشبو اردو کی پھیلائیں
چاہت اردو کی سمجھائیں
ہم اردو کا دم دکھلائیں
تم بھی آؤ، ہم بھی آئیں

اردو کی ہم آن بڑھائیں
اردو کی ہم شان بڑھائیں

بچوں کی ہو ننھی دنیا
تہذیب و مذہب خانہ داری
گیت، غزل یا شعر و نغمہ
جو ہم چاہیں، وہ ہم پائیں

اردو کی ہم آن بڑھائیں
اردو کی ہم شان بڑھائیں

ولی، سراج و وجد و بشر
سعید و شمیم جذب و قمر
گیت سلیم کے، سب کو بھائیں
تم بھی گاؤ، ہم بھی گائیں

اردو کی ہم آن بڑھائیں
اردو کی ہم شان بڑھائیں

اُردو ہے پہچان ہماری
اردو سے ہے شان ہماری
کیا ہے اردو ہم بتلائیں
تم بھی آؤ ہم بھی آئیں

اردو کی ہم آن بڑھائیں
اردو کی ہم شان برھائیں

اُردو ہے یہ سب کا آنگن
سب ہیں اپنے، نہیں پرائے
مسلم آئیں، ہندو آئیں
ذاکر یہ پیغام سنائیں

اردو کی ہم آن بڑھائیں
اردو کی ہم شان برھائیں

■
Shaikh Zakiruddin Zakir
Dr. Zakir Husain High School & Junior College, Shah Ganj, Aurangabad (MS),
Mob.: 09326205556

ضیاء الرحمن جعفری

آگیا فیور

بولی منّی آگیا فیور
لادو جلدی تھرما میٹر
نہ من کرتا کچھ کھانے کا
اور نہ اسکول ہی جانے کا
درد بھی میرے کچھ سر میں ہے
بڑی مصیبت فیور میں ہے
کچھ کچھ مجھ کو سردی بھی ہے
پھر اوپر سے کھانسی بھی ہے
ماں سن کر یہ سب گھبرائی
لائی اس کے لیے دوائی
ہوگئی ساری ختم بیماری
لگی گونجنے پھر کلکاری

Ziyaur Rahman Jafri
High School Mafi, Via: Asthanva
Distt.: Nalanda - 803107 (Bihar)

■ غلام نبی خیال

پنچ تنتر کی کہانی

'پنچ تنتر' دنیا میں بچوں کی کہانیوں کا قدیم مجموعہ مانا جاتا ہے جسے تیسری صدی قبل مسیح میں پنڈت وشنو شرما نام کے ایک کشمیری عالم نے لکھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کہانیوں کازمانہ 1500سے500قبل مسیح ہے۔ یہ ساری کتاب سنسکرت زبان میں لکھی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کشمیر کے ایک راجا کے تین بیٹے تھے جو ہر طرح سے نا اہل تھے۔ وہ دن بھر دربدری کرتے اور ریاست کے معاملوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔آخر کار راجہ نے تنگ آکر ملک کے ایک مشہوربرہمن وشنو شرما کو دربار میں بلایا اور اس سے درخواست کہ وہ تین شہزادوں کی صحیح تربیت کرے جس کے بدلے میں اسے خاصا معاوضہ دیا جائے گا۔ شرما نے راجہ سے کہا کہ وہ ان شہزادوں کو برابر چھ ماہ تک اپنے پاس رکھ کر انہیں بہترین زندگی گزارنے کا راستہ دکھائے گا۔ اس کے بعد وشنو شرما ہر دن تینوں شہزادوں کو ایسی کہانیاں سناتا رہا جن کا لب لباب یہ تھا کہ زندگی امن اور بھائی چارے سے اور لالچ کے بغیر بہترین طریقے سے کس طرح گذاری جائے۔ چھ مہینوں کے بعد تینوں شہزادے داناء سمجھ دار اور عاقل بن چکے تھے اور پھر انھوں نے حکومت کے معاملوں میں پوری دلچسپی لے کر راجہ کا دل خوش کردیا۔پنچ تنتر کی کہانیوں کا دنیا کی تقریباً ہر زبان میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ اب اسی نصیحت آموز کتا ب سے ایک پیاری سی کہانی پیش ہے:(غلام نبی خیال)

بہت پہلے کی بات ہے کہ ایک قصبے میں چار برہمن رہتے تھے جو آپس میں پکے دوست تھے لیکن بدقسمتی سے وہ اتنے غریب تھے کہ انھیں بعض اوقات دووقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ایک دن انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی بڑے شہر میں جا کرغریبی دور کرنے کی کوشش کریں گے۔آخر کاروہ ایک شہر میں جا پہنچے اور بھگوان شیو کے مندر میں ٹھہرے۔ مندر میں ان کی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی جسے انھوں نے اپنی بپتا سنائی تا کہ وہ ان کی مدد کرے۔جوگی نے انھیں موم کی چار بتیاں دیں اور کہا کہ یہ جادوئی بتیاں ہیں۔ یہ ایک ساتھ نہیں بلکہ تین پڑاوؤں پر ایک ایک کر کے پگھلیں گی۔آخری اور چوتھی بتی نہیں پگھلے گی۔ جوگی نے ان سے کہا کہ وہ پہاڑوں کی طرف سفر پر نکلیں اور ان میں سے جس کے ہاتھ

میں سب سے پہلے موم کی بتی پگھل جائے وہ وہیں پر ٹھہر جائے اور زمین کی کھدائی کر کے وہاں چھپا ہوا خزانہ حاصل کرے۔اسے جو کچھ ملے وہ اسی پر صبر کرے اور گھر لوٹے۔

ایسا ہی ہوا۔جب ایک برہمن نے دیکھا کہ اس کی موم

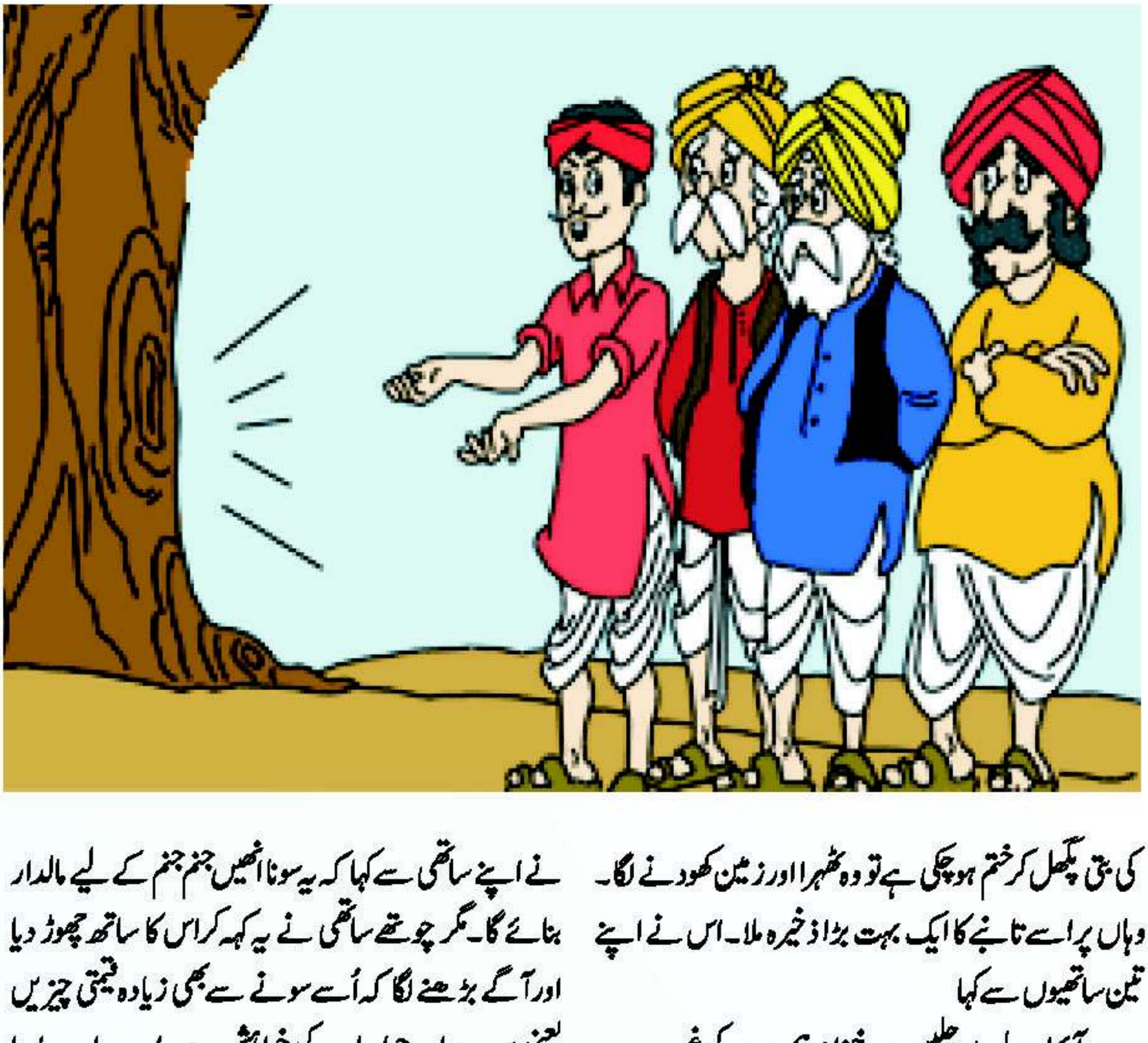

کی بتی پگھل کر ختم ہو چکی ہے تو وہ ٹھہرا اور زمین کھودنے لگا۔ وہاں پر اسے تانبے کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملا۔اس نے اپنے تین ساتھیوں سے کہا

آؤ اب لوٹ چلیں۔ یہ خزانہ ہم سب کی غربت دور کرنے کے لیے کافی ہے۔مگر دیگر تین برہمنوں نے یہ کہہ کر واپس چلنے سے انکار کیا کہ آگے انھیں اس سے زیادہ قیمتی خزانہ ملنے کی امید ہے۔ پھر دوسرے برہمن کی بتی پگھل گئی اور اسے زمین سے چاندی کا خزانہ ملا۔اس نے بھی گھر لوٹنے کی خواہش ظاہر کی لیکن دوسرے دو ساتھیوں نے بھی مزید بہتر خزانہ ملنے پر سفر جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔اسی طرح تیسرے برہمن کی بتی پگھلنے پر اسے سونے کا خزانہ ملا اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ سونا انھیں جنم جنم کے لیے مالدار بنائے گا۔مگر چوتھے ساتھی نے یہ کہہ کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور آگے بڑھنے لگا کہ اُسے سونے سے بھی زیادہ قیمتی چیزیں یعنی ہیرے اور جواہرات کی خواہش ہے اور وہ اسے پورا کر کے ہی دم لے گا۔

وہ دور تک جا نکلا مگر اس کے ہاتھ میں موم بتی نہیں پگھلی۔ وہ اسی طرح بھوک اور پیاس کے عالم میں دربدر

پھرتا رہا۔آخراس نے ایک شخص کو دیکھا جو درد سے کراہ رہا ہے۔ اُس کے جسم کے ارد گرد لوہے کا ایک گول چکر گھوم رہا تھا جو اس کے بدن کو زخمی کر رہا تھا۔اس کے سر سے بھی خون بہہ رہا تھا۔

چوتھے برہمن نے اس مصیبت زدہ کی کوئی مدد کرنے کے برعکس الٹا اس سے پوچھا کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ مجھے پانی کہاں ملے گا۔ مجھے تو زور کی پیاس لگی ہے۔ یہ بھی پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ زخم کس نے دئے ہیں۔ وہ کراہتے ہوئے بولا کہ میں بھی تمہاری طرح لالچ کے سمندر میں ڈوبا تھا کہ ایک سیدھے سادھے برہمن کو جب میں نے دیکھا تو خود بخود یہ چکر میرے جسم سے سانپ کی طرح لپٹ گیا اور اب مجھے زخم پر زخم دے رہا ہے۔اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ چکر فوراً باہر نکلا اور ہیروں کے لالچی برہمن کے جسم سے لپٹ کر اسے زخمی کرتا رہا۔ چکر سے آزاد ہوئے شخص نے اس سے یہ بھی کہا کہ تم نے بھی اپنے دوست کا نیک مشورہ نہ مان کر لالچ کو گلے لگایا۔اب یہ چکر تمہیں صرف اسی وقت چھوڑے گا جب تم جیسا کوئی اور لالچی یہاں آئے گا اور یہ خونی چکر اسے جکڑ لے گا۔لالچی برہمن نے بالآخر اسے اپنی کہانی سنائی لیکن اسے چکر کے عذاب سے نجات نہیں ملی۔ کہانی کا سبق یہ ہے کہ انسان جتنا لالچ کرے گا اتنا ہی وہ مصیبت میں مبتلا ہوگا۔

■

Ghulam Nabi Khayal
15-Rawalpora Housing Colony,
Srinagar - 190005 (Kashmir)
Mob.:09419005909, Email:gulkhayal@gmail.com

■ راحت روش

خُرّم سو جاؤ!

''خرّم سو جاؤ! بہت رات ہوگئی ہے۔'' اپنے کمرے ہی سے نجمہ نے آواز لگائی۔

''امّی بس ابھی تھوڑا سا کام باقی ہے۔''

''دیکھا آپ نے؟ یہ تو اتنی دیر رات تک پڑھتا ہے۔ کہیں اس پڑھائی کے چکّر میں اپنی صحت تباہ نہ کرلے۔''

''وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ پہلے سے کتنا کمزور ہوگیا ہے۔'' عابد نے بیوی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''اللہ نظر بد سے بچائے میرے بچے کو۔ بہت ہی محنت کر رہا ہے۔''

نظر تو لگ ہی گئی ہے، ششماہی امتحان کا نتیجہ تو تم نے دیکھا ہی ہوگا۔ تمام مضامین میں فیل تھا۔ سوائے ڈرائنگ کے۔''

''ایسا کہتے ہیں۔ نظر لگے اُس کے دشمنوں کو۔''

''بھئی تم دیکھو نا رات رات بھر پڑھنے کے بعد بھی اتنے کم نمبر کیوں آتے ہیں... یہ نظر نہیں تو اور کیا ہے؟''

'قصائیوں کے محلّے میں ایک بابا نئے نئے آئے ہیں سنا ہے بہت پہنچے ہوئے ہیں۔'' نجمہ نے عابد کو بتایا۔

''ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔'' عابد بولا۔

آپ زرینہ کو جانتے ہی ہیں۔ اُس کے بچے کی کتنی طبیعت خراب تھی... بس آج کل کا مہمان تھا۔ وہ اُس کو بابا

کے پاس لے گئی تو بابا نے اُس پر پریت کا سایہ بتایا۔ چالیس دن تک ایک کالا مرغا روز حلال کر کے اپنے پاس لانے کو کہا۔ اُس کے خون سے تعویذ لکھ کر روزانہ جلا کر اُس کی دھونی دینے کو بتایا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ٹھیک چالیسویں دن اُٹھ بیٹھا۔ وہ تو بیڑا غرق ہو نظر لگانے والے کا دو چار دن بعد اچانک ہی مر گیا۔'' نجمہ نے تفصیل سے بتایا۔

''پھر تم خرم کو انھیں ہی دکھا لاؤ۔'' عابد نے سوچتے ہوئے کہا۔

نجمہ خرم کو بابا کے پاس لے گئی۔ اُنھوں نے چالیس تعویذ دیے اور روز ایک تعویذ کو دھونی دینے کے لیے کہا۔ بابا کی دھونی سے خرم کو سر میں درد رہنے لگا۔ سانس کی شکایت بھی ہو گئی۔ سانس کی تکلیف جب زیادہ بڑھی تو ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ انھوں نے کہا... ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں، یہ کچھ اینٹی الرجی گولیاں دے رہا ہوں... اس کو دُھویں سے الرجی ہے، اس لیے دُھویں سے بچا کر رکھیں۔'' ساتھ ہی پینے کے لیے کوئی مکسچر بھی دیا ایک ہفتہ بعد طبیعت سنبھلی مگر کمزوری ابھی باقی تھی۔ کمزوری دور کرنے کے لیے ڈاکٹر نے کچھ ٹانک لکھے جو پابندی سے پلائے گئے۔ لیکن زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ اب خرم اکثر خاموش بیٹھ کر خلا میں گھورا کرتا۔ اس پر خیال ہوا کہ شاید آسیب کا اثر دوبارہ ہو گیا ہے۔ خرم کو ایک اوجھا کے پاس لے گئے۔ اس نے شمشان گھاٹ میں خرم کو ساتھ لے جا کر روزانہ رات کو بارہ بجے سات دیے جلانے کو کہا۔ سوال یہ تھا کہ خرم کو ساتھ لے کر رات کے بارہ بجے وہاں جانے کا تصور ہی انسان کا خون جما دینے کے لیے کافی ہے۔ خرم کے ایک ماموں نے جو نوجوان تھے اِس 'کارِ خیر' کے لیے تیار ہو گئے۔

سردیوں کی راتیں کہرے اور سناٹے کہ وجہ سے یوں بھی بھیانک ہوتی ہیں اس پر شمشان گھاٹ کی خاموشی ماحول کو مزید پراسرار بنا رہی تھی۔ شمشان گھاٹ کے قریب پہنچ کر ماموں، بھانجے کے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی، مگر ہمت کر کے آگے بڑھتے گئے۔ ابھی شمشان گھاٹ کچھ دوری پر تھا، ہر طرف کالے کالے سائے محسوس ہو رہے تھے۔ ہوائیں سائیں سائیں کر رہی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز کے ساتھ گیدڑوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ چمگادڑوں کے اِدھر سے اُدھر اُڑنے سے جو پھڑ پھڑاہٹ ہو رہی تھی اس نے ماحول کو اور بھی ہولناک بنا دیا تھا۔ اچانک دور سے کسی جھاڑی کے ہلنے کی آواز آئی اور جھاڑی سے نکل کے کوئی کالی سی چیز تیزی سے راستہ پار کرتی نظر آئی۔ خرم کی نظر جیسے ہی اُس پر پڑی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اب ماموں کے

سامنے ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ دیے جلانے کی بات وہ بالکل بھول گئے تھے۔ اسی بے ہوشی کے عالم میں خرم کو کندھے پر ڈال کر وہ گھر کی طرف چل پڑے۔

خرم کے اس حالت میں گھر پہنچتے ہی ایک کہرام مچ گیا۔ نجمہ کا رو رو کر برا حال تھا، وہ روتی جاتی اور کہتی... ارے کوئی ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ میرے خرم کو کیا ہو گیا۔" عابد بھی ایک مرتبہ کو پریشان ہو گیا۔ کسی نے کہا: "پڑوس کی مسجد سے مولوی صاحب کو بلاؤ۔ وہ دم کر دیں گے۔" کوئی بولا: "اُسی اوجھا کو بلاؤ۔" غرض جتنے منہ اتنی رائے مشورے۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خرم کو ہوش آ گیا۔ اُس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں تب سب کی جان میں جان آئی۔

دن گزرتے گئے، خرم کی طبیعت بدستور نڈھال ہی رہی۔ سالانہ امتحان ہوئے، ان کا نتیجہ بھی فیل کی شکل میں ہی تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں کسی نے مشورہ دیا کہ اُس کو کسی پہاڑی مقام پر سیر کو بھیج دیا جائے۔ آب و ہوا کی تبدیلی سے ممکن ہے طبیعت میں بہتری آ جائے۔ چنانچہ خرم کو اُس کے ماموں کے ساتھ شملہ بھیجا گیا۔ اُس کو گئے ابھی تیسرا ہی دن تھا کہ نجمہ نے سوچا چلو خرم کا کمرہ صاف کیا جائے تاکہ واپس آ کر اُس کو صاف ستھرا کمرہ ملے۔ صاف ماحول سے طبیعت کو سکون حاصل ہوتا ہے اور انسان فرحت محسوس کرتا ہے۔ وہ اُس کی کتابوں کی الماری سے کتابیں نکال کر جھاڑ و پونچھا کرنے لگی۔ اچانک ایک کتاب میں سے کچھ رنگین تصویریں نجمہ کے پیروں پر آ گریں۔ اُس نے انھیں اٹھا کر دیکھا تو کچھ فلمی ایکٹروں اور ایکٹریس کی اور کچھ نامور کھلاڑیوں کی تصاویر تھیں۔ ایک اور کتاب اٹھائی تو دیکھا اس میں کچھ کا عکس رکھی ہیں۔ نجمہ نے وہ کتابیں اور تصاویر لے جا کر عابد کو دیں۔ ان کتابوں اور تصاویر کو دیکھ کر عابد نے اپنا سر پکڑ لیا۔ خرم کے فیل ہونے کی وجہ عابد کی سمجھ میں آنے لگی تھی! عابد اور نجمہ نے طے کر لیا کہ تعویذ اور جھاڑ پھونک کی بجائے وہ خرم پر زیادہ دھیان دیں گے۔

■

Rahat Ravish
1235 Gali Mahal Sarai
Balli maran, Delhi-110006

کہانی

سراج فاروقی

آؤ محنت کو ایمان بنائیں!

یہی کوئی دس گیارہ کا عمل رہا ہوگا کچھ بچے دبے سہمے مسجد میں داخل ہوئے اور مسجد کے حوض میں آٹے کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا کر مچھلیوں کو کھلانے لگے۔ تھوڑے وقفے کے بعد سال کی عمر والے تھے، کو حوض کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ وہیں سے ڈانٹنے لگے "کیا ہو رہا ہے...؟"

بچے سہم گئے، انھیں لگا ان کی چوری پکڑلی گئی ہے۔

امام صاحب اپنے حجرے سے نکلے۔ لمبی سفید داڑھی، چہرہ نورانی، رنگ گورا، پستہ قد، سفید کُرتا پاجامہ، سر پر ہرے رنگ کی پگڑی۔ سراپا ایمان کی زندہ تصویر۔

ان بچوں کو جن میں چھ سات سال سے لے کر نو دس کیونکہ سماج میں جو کام رائج نہ ہو، پکڑا جائے تو ڈر ہوتا ہی ہے۔ اب یہی حال ان بچوں کا بھی تھا۔ جہاں کے تہاں کانپتے اور ڈرتے کھڑے رہ گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے امام صاحب کو اپنی جانب آتا ہوا دیکھتے رہے۔

امام صاحب ہَولے ہَولے چھڑی ٹیکتے ان کے پاس آئے۔

بچوں نے یک بیک الفاظ میں کہا، ''السلام علیکم......''

''وعلیکم السلام....'' امام صاحب نے جواب تو نرمی سے دیا مگران کے لہجے میں کرختگی اورناگواری کی صاف جھلک تھی۔

اب کیا حکم ہوتا ہے؟ گویا بچے امام صاحب کی اگلی حرکت کے منتظر تھے۔

امام صاحب نے کہا، ''کیا ہورہا...آں....!''

ان میں سے ایک بچہ راشد جو سب سے چھوٹا تھا مگر اپنی فطرت سے چنچل دکھائی دے رہا تھا۔ بول پڑا، ''امام صاحب! ہم لوگ مچھلیوں کو آٹا کھلا رہے ہیں.....''

''کیوں...؟'' امام صاحب نے تقریباً اس کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے سوال کیے۔

راشد نے دوبارہ کہا، ''ہمارے محلے میں عزیز نام کا ایک لڑکا ہے۔ اس نے بتایا، مسجد کی مچھلیوں کو آٹا کھلانے سے اچھے نمبر ملتے ہیں۔ سو ہم لوگ مچھلیوں کو آٹا کھلا رہے ہیں....''

امام صاحب کی پتلیاں تن گئیں۔ یہ کیا حماقت ہے؟ انھیں غصہ تو بہت آیا مگر انھوں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا، ''بے وقوفو! یہ حقیقت نہیں ہے۔ اس میں سچائی نہیں ہے۔ اگر امتحان میں اچھے نمبرات حاصل کرنا ہے تو محنت سے

پڑھائی کرو۔ محنت سے ہی اچھے نمبرات مل سکتے ہیں ... سمجھے....اس کا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے.....!''

سبھی بچے حیرت سے انھیں دیکھتے رہے اور ہاں میں گردن ہلاتے رہے۔

امام صاحب نے مزید کہا،''اور جاؤ...اب کبھی اس نیت سے مچھلیوں کو آٹا کھلانے مت آنا اور اگر کھلانا ہی ہے تو اپنی سوچ اور عقل کو محنت کا آٹا کھلاؤ...سمجھے...!''

بچوں نے ایک بار پھر ہاں میں گردن ہلائی اور دُبکے سہمے وہاں سے چلے گئے۔

رات نے دن سے مصافحہ کیا اور دن نے رات سے۔ وقت کا پہیا چلتا رہا اور جمعہ کا پر مسرت و با سعادت دن آپہنچا۔امام صاحب نے اس دن اندھی تقلید و رسم و رواج پر بہترین تقریر کی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں محنت و مشقت کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

کچھ عرصہ بعد!

وہی بچے مسجد میں ڈرتے سہمتے داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا۔مسجد میں امام صاحب دوزانوں بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے تین چار لوگ نصف دائرے کی شکل میں عقیدت و محبت کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔

بچے دُبکتے ہوئے آگے بڑھے اور سہمے ہوئے لہجے میں سلام کا نذرانہ پیش کیا۔

امام صاحب کا دھیان ادھر کھینچا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر

ان بچوں کے پاس آئے اور شفقت آمیز لہجے میں کہا،" کیا بات ہے بچو...؟"

ایک بچے نے آگے بڑھ کہا،" امام صاحب! ہم لوگ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوگئے ہیں۔ آپ کی دی ہوئی نصیحت بہت کام آئی ہے...."

امام صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ تیر گئی۔ انھوں نے پہچانا۔ یہی وہ بچے تھے جو کچھ ماہ پہلے مسجد میں مچھلیوں کو آٹے کی گولیاں کھلانے آئے تھے۔

بچے نے مزید کہا،" اس لیے ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آپ کو مٹھائی پیش کریں۔ اور ہم لوگ اپنے جیب خرچ سے کچھ روپے بچا کر یہ مٹھائی خرید لائے ہیں۔ آپ قبول کریں ہم کو اچھا لگے گا...." یہ کہہ کر اس لڑکے نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو ساتھیوں نے ہاں میں گردن ہلادی۔

امام صاحب کو قلبی سکون میسر آیا۔ انھوں نے مٹھائی کا ڈبا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بسم اللہ کہہ کر اسے کھولا۔ اس کی خوشبو پا کر امام صاحب نے محسوس کیا۔ واقعی بچوں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر اچھی مٹھائی لائی ہے۔ یہ مٹھائی نہیں ان کا خلوص ہے۔ وہ نہایت محبت سے ایک ایک ٹکڑا لے کر بچوں کو کھلانے لگے تو بچوں نے اعتراض جتایا۔ انہوں نے پر مسرت لہجے میں اصرار کیا "نہیں .... پہلے آپ لوگ کھاؤ....آں....آپ آپ....آپ کھاؤ....!"

بچے امام صاحب کا شہد بھرا خلوص ٹال نہیں پائے اور امام صاحب نے باری باری سب کو مٹھائی کھلائی اور کہا،" کبھی گمراہ مت ہونا۔ جو بتایا گیا ہے اسی پر چلنا۔ کامیابی آپ کے قدم چومے گی...اچھا اب جاؤ...."

بچے خوشی خوشی وہاں سے رُخصت ہوگئے۔

جب بچے چلے گئے تو امام صاحب اپنی جگہ پر آ کر پھر بیٹھ گئے اور اپنے سامنے بیٹھے حضرات سے کہا،" یہ لیجیے....منھ میٹھا کیجئے...."

وہاں پر موجود لوگوں نے ایک ایک ٹکڑا منھ میں رکھا۔ سب سے بعد میں امام صاحب نے ایک چھوٹا ٹکڑا منھ میں دبایا اور کہا،" جناب! ابھی آپ نے دیکھا نا بچے کس لیے آئے تھے؟ آپ کو بتادوں کچھ دن پہلے یہی بچے اس صحن میں موجود حوض کی مچھلیوں کو آٹے کی گولیاں کھلا رہے تھے، میں نے منع کیا تھا اور انہیں محنت و مشقت کا درس دیا تھا۔ جس پر انہوں نے عمل کیا اور آج اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے ہیں۔ آپ کو بتادوں زندگی میں ایسا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔ کوئی ایسی تعویز نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو سوچو ہمارے رسول کیوں بھوکے رہتے؟ وہ خود کوئی تعویز لکھ لیتے اور اپنی امت کو بھی بتا دیتے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے بھی محنت اور ایمانداری کو اوّلیت دی۔ اور تا عمر اسی پر عمل پیرا رہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کے عظیم رہنماؤں نے بھی محنت اور ایمانداری کو ترجیح دی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سچے دل سے محنت کریں۔ خدا سے لو لگائیں تو یقیناً کامیابی ہمارا مقدر ہوگی۔

■

Siraj Farooqui
703-Wadghar, Panvel- 410206
Dist-Raigad(M.S.)

مناظر حسن شاہین

لایا ہوں میں لیمن چوس

بولے یہ عبدالقدّوس
لایا ہوں میں لیمن چوس
لیکن، ایک ہی لایا ہوں
کہنا مت مجھ کو کنجوس
سیب بہت ہی مہنگے ہیں
پیتا ہوں کدّو کا جوس
پوچھوں گا اب ایک سوال
بچو! مت کرنا مایوس
کس کے نام کے بیچ میں
آجاتا ہے 'سین معکوس'
اپنی کھٹارا سائیکل سے
اک دن میں جاؤں گا روس
نام کروں گا بھارت کا
میں بھی کرتا ہوں محسوس

Manazir Hasan Shaheen
Middle School, Laxmi Pur, Vaya: Chakand,
Distt.: Gaya - 804404 (Bihar)

جوابات

معلومات کی کسوٹی

(1) خالد بن ولید۔ انھوں نے 41 جنگیں لڑیں
(2) ارجمند بانو
(3) یوسف
(4) جارج پنجم
(5) ذوالفقار علی بھٹو
(6) موہن بگان
(7) سنیل دت
(8) آغا حشر کاشمیری
(9) عربی
(10) امیر خسرو
(11) سروجنی نائیڈو
(12) پوٹاشیم المونیم سلفیٹ
(13) للبلبہ
(14) چاندی
(15) ایک منٹ دس سیکنڈ
(16) بلیک ٹرن
(17) خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی)
(18) آٹھ مرتبہ
(19) 1831
(20) توریت کو
(21) ریپبلک آف انڈیا
(22) فرینکلن روز ویلٹ
(23) جوز بیفائن
(24) صبیحہ بیگم (ترکی)
(25) تاریخ

جنگل میں مشاعرہ

احمد امام

طے ایک روز سارے پرندوں نے یہ کیا
جنگل میں ایک روز کریں گے مشاعرہ
ہوگا مشاعرہ تو صدارت کرے گا مور
بس! چار لفظ بول کے بیٹھا رہے گا مور
مشہور جو بہت ہیں وہ شاعر بلائیں گے
سب کو تِھرک تِھرک کے جو غزلیں سنائیں گے
کوشش سے اپنی جوڑیں گے طوطے سے رابطہ
جو بھی طلب کرے گا وہ دیں گے معاوضہ
کوّے پہ ذمہ داری نظامت کی ڈال کر
لوٹیں گے ہم بھی لُطف نشستیں سنبھال کر
آنکھیں بچھائے بیٹھیں گے مَینا کی راہ میں
لائیں گے عرش فرش پہ بلبل کی چاہ میں
کچھ آس پاس کے بھی کبوتر بلائیں گے
دعوت اثر دکھائے گی تیتر بھی آئیں گے
پائے گی داد مینا ترنم کے نام پر
سناٹا پھیل جائے گا اچھے کلام پر
جادو جگانے والی حسینہ کے سامنے
ہر ایک کے پاؤں اکھڑیں گے مینا کے سامنے
ناشاعروں کے دم سے چلے گا مشاعرہ
حددرجہ کامیاب رہے گا مشاعرہ

■

Ahmad Imam
Churi Mahal, Balapur, Distt.: Akola (MS)

مترجم: انیس الدین ملک

دھوئیں سے روشنی

کول گیس کی دریافت سے قبل شہر کی شاہراہوں کو روشن کرنے کی بہت ساری کوششیں کی گئیں۔ تاریخی مسودوں سے پتہ چلتا ہے کہ چودھویں صدی کے اوائل میں لندن کے میئر نے حکم دیا تھا کہ ہیلوٹائڈ اور کینڈل ماس کے بیچ ہر جاڑے کی شام کو گلیوں میں لالٹین لٹکائی جائے۔ اس صدی تک کے تجربات نے اس ضرورت کو اجاگر کیا کہ رات کو سڑکوں اور گلیوں میں روشنی اشد ضروری ہے کیونکہ اندھیری سڑکیں اور گلیاں رہزنوں اور بدمعاش لوگوں کے لیے کافی منافع بخش ہوتی ہیں۔

1668 میں اور پھر کئی سال بعد لندن کے باشندوں کو اس حکم کی یاددہانی کرائی گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس حکم کی پوری طرح تعمیل نہیں ہوئی (یا پھر لیمپ کافی روشنی نہیں دیتے تھے۔) کیونکہ 1716 میں شہر کی کونسل نے ہر اس مکان دار کو جس کا مکان کسی سڑک، گلی یا رہ گزر کے سامنے تھا، اندھیری راتوں کو چھ بجے سے گیارہ بجے تک شمعیں لٹکانے کا حکم دیا اور حکم عدولی پر ایک شلنگ (جو اس زمانے میں خاصی رقم تھی) جرمانہ تھا۔ بہت سے مکان داروں نے اس حکم کی تکمیل اپنے گھروں کے پردوں کو نہ کھینچ کر کیا۔ کیونکہ اس طرح سڑک سے لگے ہوئے کمرے میں جلنے والی شمع کی روشنی باہر سڑک پر آتی تھی۔

کئی سال بعد شہر کے عہدہ داروں نے کچھ خاص سڑکوں کو تیل کے لیمپ سے روشن کرایا لیکن ان لیمپوں کی روشنی آج کے مقابلے میں کافی مدھم تھی اس لیے وہ لوگ جو صاحبِ حیثیت تھے اجرت دے کر ایسے لڑکے رکھتے تھے جو مشعلیں

لیے ہوئے ان کے آگے آگے چلتے تھے۔

1739 میں جب ایک پادری جولا کلاٹیون نے دیکھا کہ لنکا شائر میں وِگن سے دو میل دور ایک سڑک کے کنارے ایک گڈھے میں آگ لگی ہوئی ہے تو ایک دلچسپ دریافت ہوئی جس سے پتہ چلا کہ گیس روشنی کے کام میں بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ اس نے لکھا کہ یہ پانی برانڈی کی مانند جل رہا تھا اور آگ کی لو اتنی تیز تھی کہ آدمی اس پر انڈے ابال سکتا تھا۔ آپ دیہاتیوں کے مقابلے زیادہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ شاید گڈھے میں کوئی خاص قسم کا پانی ہے اس لیے انھوں نے کچھ لوگوں کو اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ وہ گڈھے کو خالی کریں اور اسے اور گہرائی تک کھودیں۔ ان کے الفاظ میں ۔ کچھ دیر بعد ایک روح زمین سے اٹھی ۔ یہ روح زمین کی تہ میں موجود کوئلہ سے نکلی ہوئی گیس تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے بہت سارے پھکنے گیس سے بھر لیے۔ جب بھی وہ اپنے دوستوں کا دل بہلانا چاہتا وہ ان میں سے ایک اٹھا لاتا اور پن سے اس میں ایک سوراخ کر کے اسے موم بتی کی لو کے پاس لا کر دباتا۔ جو گیس باہر نکلتی وہ اس وقت تک جلتی رہتی جب تک پھکنے کی ساری روح باہر نہ آجاتی۔

اب کہانی ہمیں اٹھارویں صدی کے آخری سالوں میں لے جاتی ہے جب ایک نوجوان اسکاٹ ولیم ڈوک بوٹن اور واٹ کے کارخانے کا کورن وال میں رہائش منیجر تھا۔ یہ کارخانہ واٹ کے ڈیزائن کیے ہوئے ساکت بھاپ انجن تیار کر رہی تھی اور اس کی کورن وال میں اچھی تجارت تھی۔ کیونکہ وہاں اسے کانوں میں سے پانی نکالنے کے کام میں لاتے تھے۔

مرڈوک 1754 میں پیدا ہوا اور وہ ائرشائر کے ایک کسان اور مل مزدور کا بیٹا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جب کم عمر تھا اس وقت بھی وہ کول گیس بناتا تھا۔ اس کے باپ کے کھیت کی مٹی میں خراب کوئلے کی تہ تھی۔ اس کوئلے کو شیل کہتے ہیں۔ نوجوان ولیم نے اس کوئلے کی تھوڑی سی مقدار اپنی ماں کی چائے کی کیتلی میں لی اور ایک غار میں آتش دان بنا کر اس کیتلی کو اس پر رکھا۔ اس میں سے نکلنے والے دھوئیں کو اس نے جلایا۔ دھواں جو درحقیقت ایک گول گیس تھا پیلی لو کے ساتھ جلا۔

یہ کہانی شاید واٹ اور اس کی کیتلی کی کہانی سے زیادہ سچی نہیں ہے۔ یا اور بہت سی کہانیاں جو دوسری کیتلیوں اور بھاپ

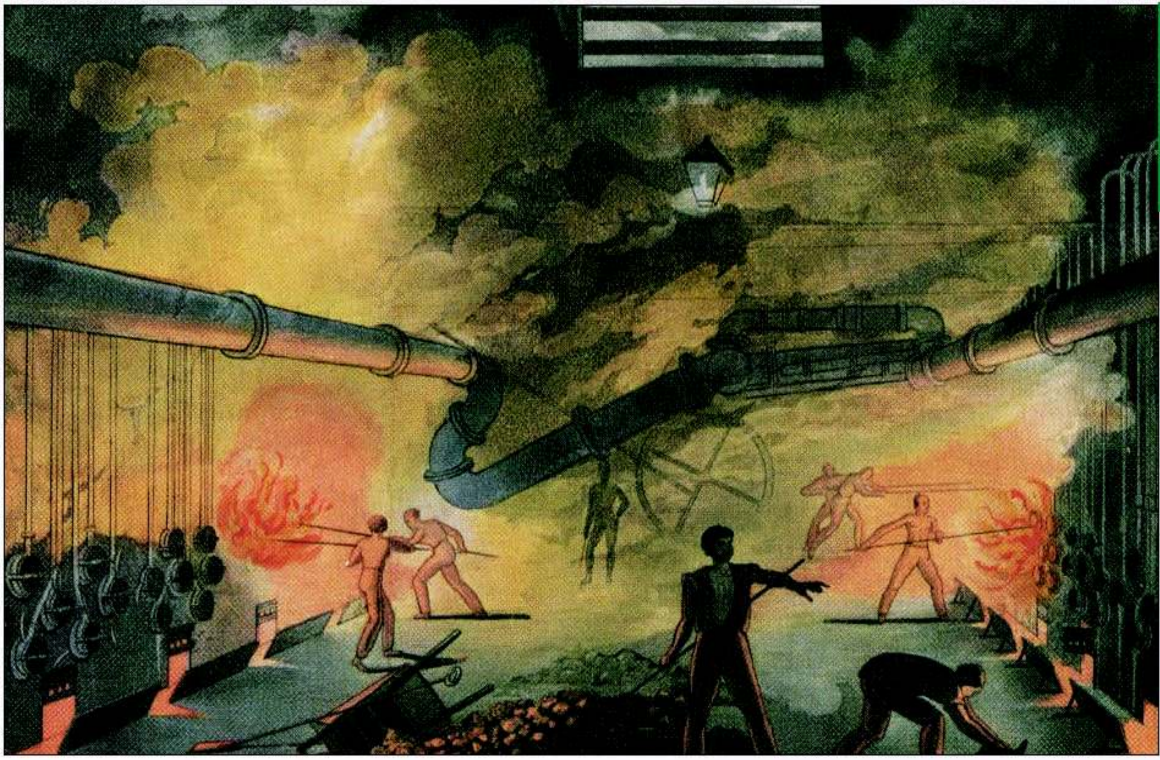

کے انجن کے موجدوں کے بارے میں مشہور ہیں، لیکن اگر ایسا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مرڈوک کو اپنے پرانے تجربات اس وقت یاد آئے ہوں جب اسے ملازمت کے دوران ری ڈرتھ میں رہائش گاہ ملی۔ ری ڈرتھ کانوں کے علاقے میں ایک کارنش گاؤں تھا۔ 1792 میں اس نے اپنے کمرے کو گیس سے روشن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا بیان کہ کس طرح اس نے یہ کام کیا مسٹر ولیم سائمن نے کیا تھا جو اس وقت ایک سن رسیدہ آدمی تھا۔

مسٹر سائمن کے مطابق مرڈوک بچوں سے بہت پیار کیا کرتا تھا۔ وہ اکثر انھیں اپنا کام دکھانے دارالعمل لایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سائمن نے جو اس وقت 8-7 کا تھا، بہت سے لڑکوں کے ساتھ مرڈوک کے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانک کر کوئی بہت پُر اسرار چیز دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ (کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ دیہاتی ڈاکٹر، ڈاکٹر بوز اور مرڈوک تمام سہ پہر کام میں مصروف رہے ہیں۔)

مرڈوک باہر آیا اور ایک لڑکے سے دوڑ کر دکان سے انگشتانہ لانے کو کہا۔ لڑکا جب انگشتانہ لے کر واپس آیا تو اس نے یہ ظاہر کیا کہ انگشتانہ اس سے کھو گیا ہے اور اپنی تمام جیبیں ٹٹولتا ہوا وہ دروازے کے اندر گھستا چلا گیا اور دارالعمل میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے انگشتانہ نکال کر دے دیا۔

اس نے وہاں دیکھا کہ ڈاکٹر بوز اور مرڈوک ایک کوئلے سے بھری کیتلی کو آگ پر رکھ کر گرم کر رہے ہیں اور برتن سے نکلنے والی گیس کو جلا رہے ہیں۔ انھوں نے انگشتانے میں کئی چھوٹے چھوٹے چھید کر دیئے۔ پھر انھوں نے ایک چھوٹی سی نلی کو کیتلی کے منہ سے باندھ دیا اور نلی کے دوسرے سرے پر انگشتانے کو رکھا۔ اب انھوں نے انگشتانے کے سوراخوں سے

نکلنے والی گیس کو جلایا۔ یہ مسلسل دھار کی شکل میں چمک دار لو کے ساتھ جلی۔

اس طرح مرڈوک نے یہ جانا کہ کول گیس چمکدار شمع میں جلتی ہے۔ اگر وہ دباؤ کی حالت میں ہو اس نے جلد ہی ایک چھوٹے چھوٹے سوراخوں والا ایک چولہا ایجاد کیا۔ اور سب سے پہلا گیس کا کارخانہ بنایا۔ اس تاریخی گیس کے کارخانے کو

نہیں دکھائی۔ اس نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے کول گیس کے تجربات کو جاری نہ رکھے بلکہ اپنی کوششیں اور رجحان اور بھاپ کے انجن کی جانب مبذول کرے۔ مرڈوک بہت ناامید ہوا لیکن جب وہ 1798 میں ترقی پا کر برمنگھم میں منیجر کے عہدے پر فائز ہوا تو وہاں اس نے جلد ہی فرم کو اس کے لیے راضی کرلیا کہ وہ گیس بنانے والے آلات بیچنے کے لیے

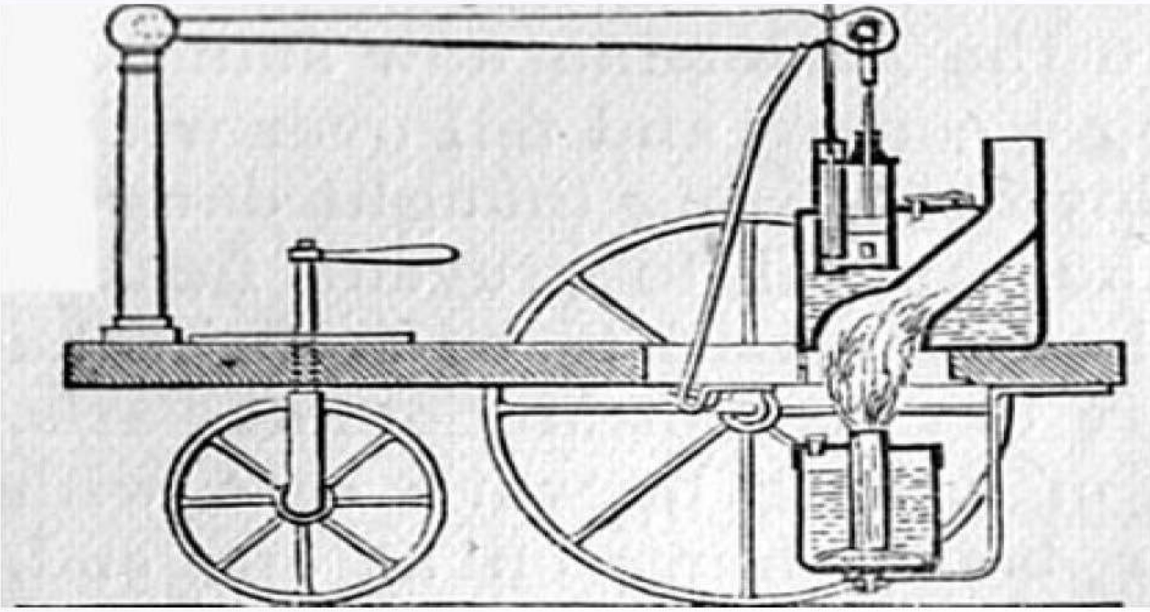

اس نے اپنے گھر کے صحن میں بنایا اور بجائے کیتلی کے ایک خاص لوہے کا برتن جسے اب فرنبیق کہتے ہیں استعمال کیا اور اسے ایک کھلے ہوئے اینٹوں سے بنے آتش دان میں رکھا۔ وہ گیس کے پائپ کو کھڑکی میں چھید کرکے کمرے میں لایا اور پھر اس کو کمرے کی چھت پر لے گیا۔ برتن کے نیچے کچھ دیر تک آگ جلنے کے بعد کول گیس نکلنا شروع ہوئی۔ اس نے کمرے میں لگے برنر کو جو پائپ کے ایک سرے پر لگا تھا، جلایا۔

مرڈوک نے اپنے آجر کو اس نئی دریافت کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی لیکن واٹ نے اس سلسلے میں کوئی گرم جوشی

بنائے۔ اس کے لیے بہترین موقع 1802 میں آیا جب فرانس سے صلح ہوئی اور سارے ملک میں تقریبات منائی گئیں۔ بولٹن اور واٹ فرم نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ صلح کی تقریبات سوہو، برمنگھم میں اپنے کارخانے میں گیس کی روشنی جلا کر کریں گے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل بیان سے پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک انوکھا منظر تھا۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ وہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہے جنھیں گیس سے روشنی ہونے کی پہلی عوامی نمائش دیکھنے کا فخر حاصل ہے اور آگے لکھتا ہے:

''سوہو کے کارخانے میں اس تقریب پر روشنی نے ایک

غیر معمولی شان وشوکت پیدا کردی۔ عمارتوں کی بڑی تعداد کو سامنے سے بہت حسن وخوبی کے ساتھ سجایا گیا تھا اور انھیں مختلف زاویوں سے گیس کی روشنی سے تابانی بخشی گئی تھی۔ روشنی کا نظارہ جتنا نرالا تھا، اتنا ہی تعجب خیز بھی۔ برمنگھم کی تقریباً تمام آبادی اسے دیکھنے چلی آئی اور سائنس اور آرٹ کے اس ملے جلے اثر سے پیدا شدہ تعجب خیز نظارے کی داد دینے لگی۔"

1802 میں مرڈوک کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ گیس کو ماچس سے جلائے اس لیے کہ اس وقت ماچس کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک بکس استعمال کیا کرتا تھا جس میں اسپات اور پتھر ہوتے تھے۔ اسپات اور پتھر کو رگڑا جاتا تھا اور اس سے پیدا شدہ چنگاری کو بکس کی جانب کردیا جاتا تھا جس میں ادھ جلا لینن یا سوت کا کپڑا ہوتا تھا جو آسانی سے آگ پکڑ لیتا تھا۔ جب ٹاٹ آگ پکڑ لیتا تو اسے اور تیز شمع کے ساتھ جلایا جاتا۔ پھر لکڑی کی ایک لمبی سی چھڑی لی جاتی جس کے سرے پر گندھک لگا ہوتا اور اسے سلگتی ہوئی آگ پر رکھ دیا جاتا جس سے لکڑی جلنے لگتی۔

1827 میں جون واکر جو اسٹوک ٹن آن ٹیز کا ایک کیمیا داں تھا، نے ایک ماچس بنائی جس کے سرے پر ایک مخلوط تھا جو اس کے خیال میں گندھک سے زیادہ اچھا کام کرے گا۔ اس مخلوط کے اجزاء ترکیبی یقینی طور سے نہیں معلوم لیکن شاید اس میں کچھ گندھک پوٹیشیم کلوریٹ اور اینٹی منی سلفائڈ ملا ہوا تھا۔ ایک دن وہ لکڑی کی بہت ساری چھپٹیوں کو اس مخلوط میں ڈوبا کر الگ رکھ رہا تھا تاکہ وہ خشک ہوجائیں۔ اس نے ان میں سے ایک کو اٹھایا۔ اس اٹھانے میں یہ آتش دان کے فرش سے رگڑ گئی۔ وہ بے انتہا متعجب ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ ماچس خود بخود جلنے لگی حالانکہ فرش بالکل ٹھنڈا پڑا ہوا تھا۔

اس نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ سرے اور پتھر کی رگڑ کی وجہ سے آگ پیدا ہوئی۔ اس لیے اس نے ایک اور ماچس لی اور اسے آتش دان کے پتھر سے رگڑا۔ ماچس جل اٹھی۔ اس طرح جیسا کہ ہمیں بتایا گیا پہلی اثر آفریں رگڑ والی ماچس کی ایجاد

ہوئی جو 'لوسی فر' کہلاتی تھی۔ واکر نے ایسی ماچسیں کافی بڑے پیمانے پر بنائیں۔ ایک بکس جس میں 84 ماچسیں ہوتی تھیں ایک شلنگ کا ملتا تھا۔ بکس کے ساتھ ریگ مال کا کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا۔ ٹکڑے کو دوہرا کرکے مضبوطی سے باندھ دیا جاتا تھا۔ جب ماچس کے سرے کو اس سے رگڑتے تھے تو ماچس کی تیلی میں اس سے آگ لگ جاتی تھی۔

مرڈوک کا کول گیس سے روشنی حاصل کرنے کا طریقہ

ہر دلعزیز ہوگیا۔ حالانکہ کچھ لوگوں نے شک وشبہات اور خوف بھی ظاہر کیا لیکن لوگوں کی اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس گیس سے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔

ایک ایسی ہی کہانی کے مطابق 1818 میں جب مرڈوک مانچسٹر گیا تو اس نے اپنے ایک دوست کے گھر کھانا کھانے کی دعوت قبول کرلی۔ رات اندھیری تھی اور سڑکیں بہت بری حالت میں تھیں۔ مرڈوک نے کول گیس سے ایک تھیلا بھر لیا اور اس کی گردن پر چرچ واڈن کی مٹی کی نلی کا ایک ٹکڑا لگا دیا اور نلی کے کھلے سرے کو ایک مٹو پر سے بند کردیا۔ جب وہ راستے میں روشنی کی ضرورت محسوس کرتا تھا تو تھیلے کو اپنے بازو سے زور سے دباتا اور کافی قوت سے نکلنے والی گیس کو جلا دیتا تھا۔

بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ گیس ورک سے لے کر برنر تک، اندر نلی میں گیس جلتی رہتی ہے۔ اس زمانے کے ایک کارٹون میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک آئرش آدمی کہہ رہا ہے "ارے پیاری اگر یہ آدمی پانی کے ذریعے (پائپ میں سے) آگ نکالتا ہے تو ہم جلد ہی ٹیمس اور لیفی کو جلتا ہوا دیکھیں گے، اور خوبصورت مچھلیاں اور وہیل جل کر خاک ہوجائیں گی۔"

ایک دوسری کہانی کے مطابق جو کاریگر پارلیامنٹ ہاؤس میں گیس کی روشنی لگانے آئے انھوں نے گیس پائپ کو دیوار سے کچھ فاصلے پر رکھا تا کہ گرم پائپ عمارت میں کہیں آگ نہ لگادے۔

حتیٰ کہ سائنس داں اور دوسرے ممتاز لوگوں کو بھی اس کا شبہ تھا کہ یہ نیا طریقہ کامیاب ہوجائے گا۔ ایک بڑے ممتاز کیمیا داں وولیسٹن نے کہا کہ "وہ چاند کے ٹکڑے سے لندن کو روشن کرنے کی کوشش کریں۔" عظیم سرہمفری نے طنزیہ انداز میں یہ سوال کیا کہ کیا وہ لوگ منٹ پال کے گنبد کو گیس ہولڈر کی طرح استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سر والٹر اسکاٹ نے اپنے ایک دوست کو لکھا "ایک پاگل آدمی کی تجویز ہے کہ لندن کو روشن کیا جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ کس سے؟ دھوئیں سے۔

پچاس سال بعد 1873 میں ایران کے شاہ نے لندن کا دورہ کیا اور گیس کی روشنی نے انھیں اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے خاص طور سے گیس کے کارخانے کو دیکھا۔

پرانے زمانے میں ایرانی بہت سے عجیب عجیب دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان میں روشنی کا دیوتا مرڈوک بھی تھا۔ گیس ورکس میں شاہ نے کئی سوال پوچھے۔ جوابات کے دوران اس کا ابھی انکشاف ہوا کہ گیس سے روشنی مرڈوک نام کے ایک آدمی کے کام سے ممکن ہوسکی۔ شاہ کو ایک دم مرڈوک کا خیال آیا۔ جو بیب لون اسیریا اور ایران میں اس کے اجداد کا روشنی کو دیوتا تھا۔ اس لیے اس نے اعلان کیا کہ مرڈوک نے دوبارہ ولیم مرڈوک کے نام سے جنم لیا ہے اور حکم دیا کہ ولیم کی تصویریں تہران اور قصرِ کجار میں ٹانگی جائیں۔

مرڈوک کے علاوہ دوسرے لوگوں کے نام بھی کول گیس سے روشنی حاصل کرنے کی دریافت کے سلسلے میں لیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات ایک حقیقت ہے کہ اس گیس کو بڑے پیمانے پر استعمال کرنے کا سہرا، مثلاً پورے مکان کو روشن کرنا، مرڈوک کے سر ہے۔

(قومی اردو کونسل کی شائع کردہ کتاب 'سائنس کی کہانیاں' سے ماخوذ)

محمد خلیل

انٹارکیٹکا کی دریافت کرنے والے سائنسداں: ڈاکٹر ظہور قاسم

بچو! ہم اکثر مشکل کام سے گھبراتے ہیں اور کبھی اُسے ناممکن سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں لیکن محنت کرنے سے قدرت ہمیں راستہ عطا کرتی ہے اور کامیابی مل جاتی ہے۔ ایسی ہی ایک بڑی کامیابی ملک کو پہلی مرتبہ ہمارے ملک کے مشہور سائنسداں ڈاکٹر سید ظہور قاسم کی سربراہی میں انٹارکیٹکا یعنی قطب جنوبی کی دریافت میں حاصل ہوئی تھی۔ یہ ایک بڑا کارنامہ تھا لیکن افسوس اس مہم کی سربراہی کرنے والے ڈاکٹر ایس زیڈ قاسم کا پچھلے دنوں 21 اکتوبر کو نئی دہلی میں انتقال ہوگیا۔

یہاں ہم ان کے سائنسی کارناموں کا ذکر کریں گے جس سے تم اندازہ کرسکو کہ ان کو سائنس کے میدان میں تحقیق کرنے میں کس قدر دلچسپی تھی۔ ڈاکٹر قاسم یوپی میں ضلع آباد

کے قصبہ سرائے عاقل (نجھن پور) کے مقام پر جسے اب لوگ کوشامی کے نام سے جانتے ہیں 27 دسمبر 1927 میں پیدا ہوئے۔ آپ بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ کے والد ضمیر قاسم ایک زمیندار تھے۔ وہ پرانے زمانے کے گریجویٹ تھے اس لیے انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ وہ کھیلوں کے بہت شوقین تھے۔ اس لیے اپنے بچوں کو بہت صبح اٹھا دیا کرتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم قصبے میں ہوئی۔ گھر پر ہی انھوں نے ہندی، انگریزی اور اردو پڑھی۔ اس کے بعد وہ الہ آباد تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگئے۔ بچپن سے ہی وہ ذہین اور عقلمند تھے۔ اسی لیے جب وہ الہ آباد میں گورنمنٹ انٹر کالج میں داخلے کے لیے گئے تو وہاں کے پرنسپل نے آپ کا داخلہ

درجہ چھ کے بجائے درجہ 7 میں کیا۔ وہیں سے انھوں نے 1943 میں ہائی اسکول، 1946 میں انٹرمیڈیٹ کے امتحان پاس کیے۔ آگے کی تعلیم کے لیے وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے وہیں سے انھوں نے 1949 میں بی ایس سی اور 1951 میں علمِ حیوانیات (زولوجی) ایم ایس سی میں گولڈ میڈل کے ساتھ پہلا مقام حاصل کرتے ہوئے ڈگری حاصل کی۔ وہ کچھ دنوں تک وہاں لکچرار بھی رہے۔ اس کے بعد وہ آئندہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان روانہ ہوگئے جہاں انھوں نے عالمی شہرت یافتہ پروفیسر نائٹ جونس اور پروفیسر کرسپ کی ماتحتی میں جوسمندری سائنس کے میدان میں 1956 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہاں کی واپسی پر ڈاکٹر قاسم بحیثیت ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ حیاتیات میں پڑھانے لگے اور نئی تجربہ گاہ مچھلیوں کی تحقیق کے لیے قائم کی اور 1964 میں وہ شعبہ فشریز (مچھلیوں سے متعلق) کے شعبے میں بحیثیت پروفیسر ان کا تقرر ہوگیا۔ اس کے بعد وہ کوچین میں قائم سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف فشریز ٹکنالوجی کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری سنبھال لی جہاں انھوں نے اس میدان میں کئی نئے میدانوں پر تحقیق کی شروعات کی جہاں وہ 1970 سے 1973 تک تحقیق میں مصروف رہے۔

اس کے بعد انھوں نے مچھلیوں کو ہندوستان میں پہلی بار تحقیقی میدان میں مچھلیوں کی کلچر تکنیک کو سائنس کے میدان میں ماہرین کے سامنے پیش کرکے ایک اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے جس کے لیے انھیں پرمشری اعزاز عطا کیا گیا۔ اس کے بعد 1976 میں گوا کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوشنوگرافی میں بحیثیت ڈائریکٹر ان کو منتخب کرلیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر قاسم نے سمندری تحقیق کے لیے انسٹی ٹیوٹ کے گویشنی جہاز کے ذریعے عرب ساگر اور بنگال کی کھاڑی میں سمندری (بحری) کلچر منصوبے، اور سمندر آلودگی جیسی خاص تحقیق کو اپنی محنت سے کافی معلومات حاصل کی اس میں سمندری گانٹھن (Nodules) یعنی نوڈیولس کی دریافت بحری تیل کے

میدان میں بڑی مددگار ثابت ہوئی جس میں این آئی او، گوا کو علمی مقام حاصل ہوا۔ وہ 1981 میں حکومتِ ہند کے شعبۂ ماحولیات کے سکریٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور ایک سال کے اندر ہی 1982 میں نئے قائم اوشن ڈیولپمنٹ شعبے کے سکریٹری منتخب ہوگئے اور یہاں انھوں نے دوسرے سمندری تحقیقی جہاز 'ساگر کنیا' کو سمندری تحقیق کے لیے آگے بڑھنے کی راہ دکھائی۔ یہاں یہ ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ڈاکٹر قاسم کو حکومتِ ہند کی پہلی سمندری مہم جو انٹارکیٹکا کی دریافت و تحقیق کے لیے قائم کی گئی تھی اُس کا سربراہ (لیڈر) بنایا گیا جس کی پہلی مہم میں لیڈر کی حیثیت سے ان کی ٹیم کو انٹارکیٹکا کا پتہ لگانے میں کامیابی حاصل ہوئی یہ ایک بڑا تحقیقی کام تھا جس کو 88-1981 تک انھوں نے تحقیق میں نئی راہ دکھائی۔

یہاں انٹارکیٹکا کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ دنیا میں کل سات براعظم ہیں اور انٹارکیٹکا ان میں سے ایک ہے۔ یہ ہندوستان کے جنوب میں ہے۔ اس علاقے کو دنیا کا آخری سرا بھی کہتے ہیں۔ اس کی دریافت تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ہوئی تھی۔ یہ ایک طرح سے دنیا کے دوسرے حصوں سے الگ واقع ہوا ہے۔ اسی برّاعظم کو برف کی موٹی تہوں نے ڈھک رکھا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ساری دنیا میں جتنی برف ہے اس کا تقریباً نوّے فیصد حصہ قطب جنوبی میں موجود ہے۔ یہاں بڑی بڑی تیرتی ہوئی چٹانیں نظر آتی ہیں۔ انھیں لمبائی میں دیکھ کر جو لمبی ہیں میدان جیسی معلوم ہوتی ہیں۔ اپریل سے ستمبر کے مہینے تک یہاں سورج تقریباً نکلتا ہی نہیں، ان دنوں وہاں بالکل اندھیرا ہوتا ہے۔ یہاں ہوائیں بھی بہت تیز چلتی ہیں۔ اس کا اندازہ تم اس بات سے کر سکتے ہو کہ ہواؤں کی رفتار ایک گھنٹے میں تقریباً تین سو بیس کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ یہاں سردی بھی بہت سخت ہوتی ہے جس کو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ لیکن تمھارے ذہن میں یہ بات ضرور آرہی ہوگی کہ آخر کون سی بات ہے جو انٹارکیٹکا کو اس قدر اہمیت دی جارہی ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے سائنسدانوں کی تقریباً اب تک چودہ مہمات وہاں سے تحقیق کے بعد کامیابی سے واپس آچکی ہیں۔ جہاں سے برف کی اس ڈھکی دنیا میں انسان کا پہنچنا ایک ناممکن سی بات تھی لیکن اب ممکن ہوگئی ہے۔ انٹاکٹیکا کی پہلی مہم کے سربراہ ہمارے ملک کے مشہور سائنسداں ڈاکٹر سید ظہور قاسم تھے۔

یہاں پہنچنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ تم اس سے لگا سکتے ہو کہ ملکی جہاز مسلسل ایک ہفتے تک برف کو توڑنے کے بعد قطب جنوبی میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔ ہمیں یہ پہلی کامیابی 9 جنوری 1982 کو حاصل ہوئی تھی۔ یہاں ہندوستان سے پہلے پہنچنے والے سائنسدانوں میں امریکہ، روس، برطانیہ اور کئی دوسرے ملکوں کے ماہرین بھی یہاں پہنچے ہیں۔ یہاں پہلے کوئی آبادی نہ تھی یہی وجہ تھی کہ اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا لیکن اب یہاں کئی ملکوں نے اپنے رہنے اور تجربہ کرنے کے لیے اسٹیشن بنا لیے ہیں اور اب گذشتہ کئی برسوں سے ہندوستان نے بھی یہاں اپنی تجربہ گاہ قائم کرلی ہے۔

وہاں ہمارے سائنسداں جو چیزیں تحقیق کے بعد حاصل کررہے ہیں ان چیزوں سے کئی طرح کی جانکاری سامنے آئی ہے۔ جو بڑی دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ چٹان جو وہاں سے ہمارے سائنسداں لائے ہیں وہ ہندستانی چٹّان سے ملتی جلتی (مشابہ) ہیں۔ کچھ پرندوں کی قسمیں ہیں، وھیل مچھلی کے چار نمونے ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ اہم بات جو تحقیق سے ہمارے سائنسدانوں کو معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ کروڑوں سال پہلے جنوبی ہندوستان اور انٹارکیٹکا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس وقت انٹارکیٹکا میں کافی درخت اور جانور پائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یہ جگہ معدنیات (میزنکس) کا خزانہ بن گئی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ کوئلے کا ایک بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے یہی نہیں یہاں تقریباً ساڑھے چار سو کھرب بیرل تیل اور تانیا، نکل، کرومیم، چیتا، لوٹا اور سونا بھی یہاں زمین کے تہوں میں موجود ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اس جگہ تازہ اور صاف پانی کے بڑے ذخیرے بھی موجود ہیں کیونکہ وہ علاقے برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ اس طرح اس پانی کو ان علاقوں تک استعمال کے لیے پہنچایا جاسکتا ہے جہاں پانی آسانی سے نہیں مل پاتا ہے۔

یہاں کرل مچھلیوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے۔ اس طرح ان سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ پنگوئین پرندہ جو صرف یہاں ہی پایا جاتا ہے کیونکہ یہ پرندہ یہاں کی سخت سردی برداشت کرنے کی قوت موجود ہے۔

یہاں دھوپ تیز اور چمکدار ہے۔ یہاں ہوا بھی نہایت صاف ہے جو دنیا کے کسی حصے میں اس قدر نہیں ہے۔ لیکن یہاں دنیا خوفناک قسم کے طوفان آتے ہیں جس کا ذکر ڈاکٹر قاسم صاحب نے مجھے ایک ملاقات کے دوران سنایا تھا اور سخت سردی کا ذکر کیا تھا، میں نے ہنسی کے انداز میں ڈاکٹر صاحب سے کہا مجھے سن کر سردی کا احساس ہو رہا وہ ہنستے ہوئے بولے اس وقت تو یہاں سخت گرمی ہے اور بات مزاح کے انداز میں ختم ہوگئی۔ برف تو پورے سال گرمی رہتی ہے لیکن بارش نہیں ہوتی۔ وہاں پانی پگھلا کر پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ کھانے کی کوئی چیز خراب نہیں ہوتی۔ یہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے تمھیں تعجب تو ہوگا لیکن یہی سچ ہے جاڑوں کے موسم میں رات ہی رات ہوتی ہے۔

اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے والے سائنسدانوں کی سربراہی ڈاکٹر ظہور قاسم نے کی تھی وہ اپنی تحقیق کو مسلسل جاری رکھنے میں مصروف رہے ان کی انہی اہم سائنسی دریافت اور اہم سائنسی کاموں کے لیے انھیں ملک کے دوسرے بہت سارے اعزازوں سے بھی نوازا گیا جس میں خاص طور پر پدم بھوشن اور وی پدم بھوشن جو سرکاری بڑا اعزاز ہے عطا کیا گیا۔ اس وقت کی آنجہانی وزیر اعظم اندرا گاندھی کی دلچسپی سے اس تحقیق پر بڑی توجہ دی گئی اور بڑی کامیابی حاصل ہوئی ان کو زندگی بھر تحقیق کرتے ہوئے رفیع احمد قدوائی ایوارڈ، لال بہادر شاستری ایوارڈ، مولانا محمد علی جوہر ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ وہ پلاننگ کمیشن کے بھی ممبر رہے، جامعہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ علمی میدان و سائنسی میدان میں اتنی خدمات انجام دینے والی شخصیت گذشتہ دنوں ہم سب سے جدا ہوگئی۔ وہ ایک خوش مزاج انسان تھے اپنی کئی ملاقاتوں میں میں نے کبھی انھیں غصے میں نہیں دیکھا وہ جس کام کو صحیح اور ضروری سمجھ لیتے تھے اسے آخر تک پہنچانے میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن وہ اپنے بڑے کاموں سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ بچو! بڑے کام ہی انسان کو بڑا بناتے ہیں۔

■

Mohammad khalil (Scientist)
H-51, Dr. Iqbal Lane, Batla House, New Delhi - 110025

ساتویں قسط

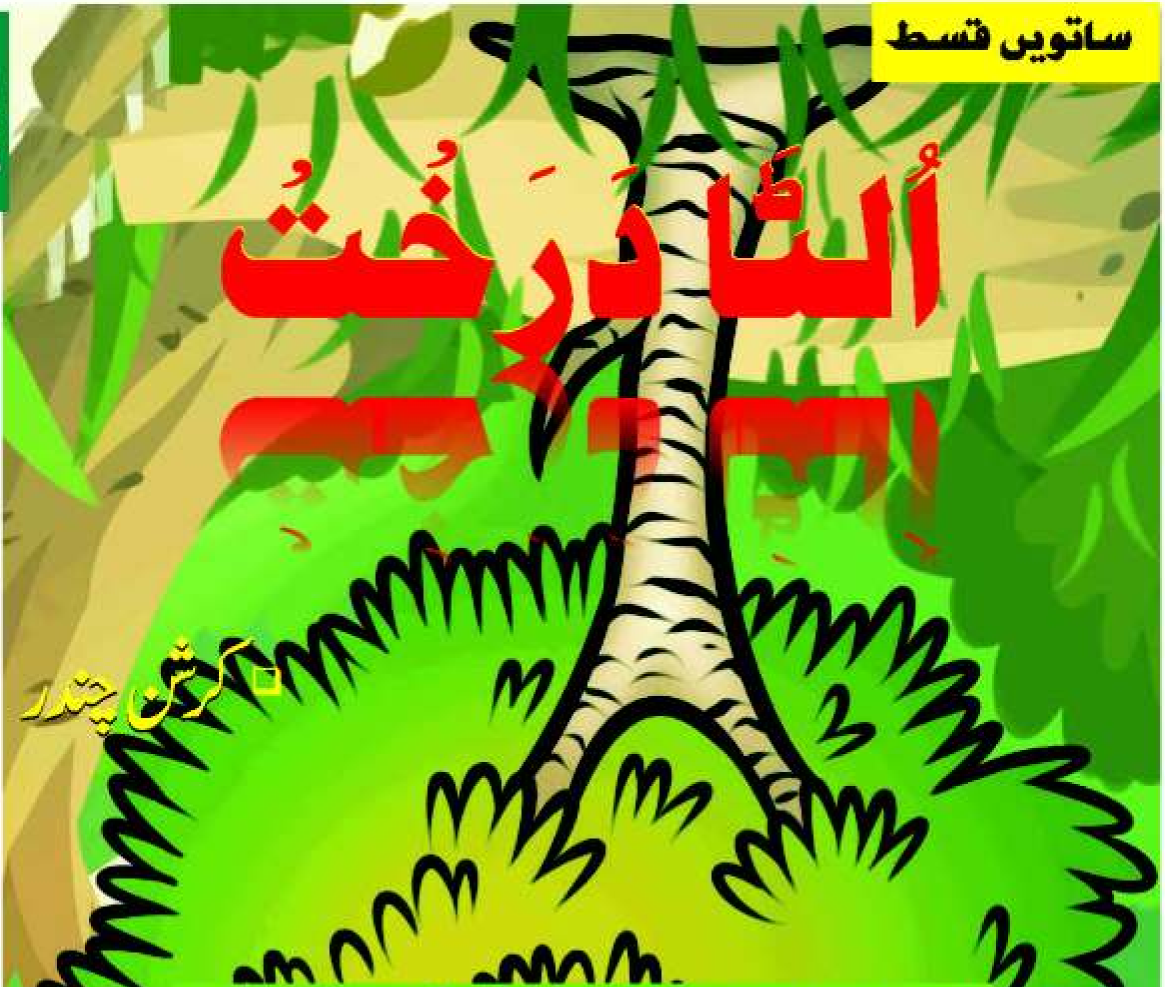

اُلٹا درَخت

کرشن چندر

اب تک آپ نے پڑھا کہ ایک موچی کا تھوڑا سا بے وقوف مگر منھ پھٹ اور بے روزگار بیٹا یوسف اپنی ماں کے کہنے پر بادشاہ کے پاس کام مانگنے گیا تو ہٹلے اور ظالم بادشاہ نے اس کے خوب صورت باغیچے پر ہی قبضہ کرلیا۔ وہاں ایک نک چڑھی شہزادی ملی۔ اس نے یوسف کی ماں کا کنواں چھین لیا۔ اب غریب یوسف کے پاس ماں کے علاوہ ایک جھونپڑی اور ایک گائے رہ گئی۔ ماں نے کہا گائے بیچ دو ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔ بازار میں ایک شخص نے اسے صرف تین بیج دے کر گائے لے لی اور کہا یہ بیج ایک ساتھ بوئے گا تو ایک ایسا درخت اگے گا جس کی اونچائی آسمان تک ہوگی۔ ان میں سے

دو بیج ضائع ہو گئے۔ یوسف بڑا پریشان ہوا اور اس نے بچا ہوا بیج باغیچے کی زمین میں دبا دیا۔ رات کو خوب بارش ہوئی اور صبح اٹھا تو اس نے دیکھا کہ بیج والی زمین میں ایک عجیب درخت اگا تھا جس کی جڑیں زمین پر تھیں اور تنا اور شاخیں زمین کے اندر اتر رہی تھیں۔ ماں کے منع کرنے پر بھی یوسف اس درخت پر نیچے کی طرف چڑھنے لگا۔ کافی نیچے اترنے پر وہ آوازوں کے ایک شہر میں پہنچ گیا۔ ایک سرگوشی جیسی آواز نے اسے شہر کی کہانی سنائی اور بتایا کہ یہاں تمام آوازوں کو آسمان جتنے اونچے گنبد میں قید کر لیا گیا ہے۔ مگر ان قیدی آوازوں نے وہاں سے بادشاہ کے محل تک ایک سرنگ بنائی اور اس میں فتیلہ بن کر گھس گئیں۔ یوسف کا کام تھا اس فتیلے کو آگ لگانا۔ اس نے فتیلے کو آگ دکھائی اور تیزی سے الٹے درخت پر جا پہنچا۔ کچھ ہی دیر میں آوازوں کا شہر تباہ ہو گیا اور یوسف درخت پر نیچے چڑھنے لگا۔ تین دن تین رات چڑھنے کے بعد اندھیرے میں کسی نے اسے درخت سے اتار لیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے اپنی مٹھی میں دبائے ہوئے ہوا میں اڑ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس ہاتھ نے اسے ایک بہت بلند اور بڑے دروازے پر اتار دیا۔ یہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ ایک دیو بھی اس کے نیچے سے آسانی سے نکل سکتا تھا۔ یوسف تو خیر آدمی تھا۔ بڑی آسانی سے اندر چلا گیا۔ دروازے کی محراب پر لکھا تھا: کالے دیو کا شہر۔ یوسف درخت پر چڑھتا یا یوں سمجھ لو کہ زمین کے اندر اترتا چلا گیا جہاں ہر منزل پر اسے ایک نئی دنیا ملی...

”جس وقت وہ شنکھ میرے ہاتھ میں آجائے گا اور میں اسے بجنے کو کہوں گا۔ تو اس کی آواز سنتے ہی یہ ساری وادی اور اس کے سارے لوگ جاگ جائیں گے۔ اس وقت دیوؤں کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ شنکھ کی آواز میں ان لوگوں کے لیے زندگی ہے اور دیوؤں کے لیے موت ہے۔“

”وہ کیسے؟“

”بس ادھر یہ لوگ جاگنے شروع ہوئے ادھر دیو مرنے شروع ہوں گے۔ شنکھ کی آواز سن کر دیوؤں کے کان پھٹ جائیں گے۔ ان کے دماغ شق ہو جائیں گے اور وہ مر جائیں گے، اور یہ وادی آزاد ہو جائے گی۔ اسی لیے تو ان دیوؤں نے اس شنکھ کو اس قلعہ میں بڑی حفاظت سے رکھا ہوا ہے، اور دن رات پہرہ دیتے ہیں۔“

”تو پھر میں کیسے اسے حاصل کر سکتا ہوں؟ میں تو ایک معمولی سا لڑکا ہوں پادری صاحب؟“

”اگر تم مجھے وہ شنکھ نہیں لا کے دو گے تو میں یہ لعل تمھیں نہیں دوں گا۔“ پادری یہ کہہ کر خانقاہ کے اندر گھس گیا۔

دن ڈھلتا جا رہا تھا۔ شام ہو چکی تھی موہن بہت گھبرایا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اگر اسے لعل ابھی مل جاتا تو وہ ابھی واپس ہو سکتا تھا۔ کل، دوسرا دن شروع ہو جائے گا، اور بوڑھے نے کہا تھا کہ اگر وہ تین دنوں میں واپس آ گیا تو یوسف کی جان بچ جائے گی ورنہ نہیں۔

بہت سوچ بچار کے بعد موہن نے قلعہ کے اندر گھس کر موتیوں والا شنکھ چرانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ گھاٹی کے نیچے اتر کر شہر کی گلیوں میں گھومتا رہا۔ جب رات کا اندھیرا اچھی طرح سے چاروں طرف پھیل گیا تو اس نے قلعہ کا رخ کیا۔ قلعے کے چاروں طرف ایک گہری خندق تھی جس میں پانی بھرا تھا قلعے کے بڑے پھاٹک کے سامنے ایک لکڑی کا پل تھا۔ جو دیوؤں کی مرضی سے خندق کے آر پار

لگایا جاسکتا تھا۔ موہن موقع کا منتظر رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا شہر کے کچھ لوگ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے اور خندق کے اس پار آکر کھڑے ہوگئے۔ ان لوگوں نے اپنی پیٹھ پر اناج لادا ہوا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں سبزیاں اور پھل تھے کوئی گیہوں لایا تھا، اور کوئی چاول۔ جلاہے کپڑا لائے تھے اور گڈریئے بھیڑیں اور بکریاں۔ وہ لوگ خندق کے اس پار سارا سامان رکھ کر واپس ہوئے۔ اب وہاں صرف چار آدمی کھڑے تھے۔ دو نوجوان لڑکیاں اور دو نوجوان لڑکے۔ چاروں بہت خوب صورت تھے۔

موہن نے ان سے پوچھا ''تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟''

''ہم کو کھا جائے گا'' ایک لڑکی نے کہا۔

''تم کو کھا جائے گا؟'' موہن نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

''ہاں'' ایک لڑکا بولا '' ہم چاروں کو آج دیو لوگ کھا جائیں گے۔''

''اور تم یہ بات ایسے مزے سے آہستہ آہستہ سوتے ہوئے کہہ رہے ہو جیسے تم لوگ دعوت میں جا رہے ہو۔''

''ہاں دعوت تو ہی ہے'' تیسری لڑکی نے کہا۔

''مگر۔ یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے تمھیں لڑنا چاہیے۔''

''دیوؤں سے کون لڑ سکتا ہے؟'' چوتھے نوجوان نے کہا۔

''یہ تو ہماری قسمت ہے کہ ہمیں کھایا جائے آخر ہم بھی تو بھیڑ بکریاں کھاتے ہیں۔''

''لیکن تم بھیڑ بکریاں نہیں ہو، تم انسان ہو۔''

''تو کیا ہوا؟'' پہلا لڑکا رک رک کر بولا۔'' دیو لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا خون پینے میں بہت مزے دار ہوتا ہے۔''

''مگر.....مگر'' موہن اس قدر چکرا گیا کہ کچھ کہہ نہ سکا۔ یہ چاروں لڑکے لڑکیاں بڑے آرام سے خندق کے کنارے کھڑے اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں قلعے سے ایک لکڑی کا پل نیچے لٹکا اور خندق کے اوپر بچھ گیا۔ پھر قلعے کے اونچے پھاٹک کھلے اور اندر سے ایک دیو لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر آیا۔ موہن اسے دیکھ کر جلدی سے بھیڑوں میں گھس گیا۔ دیو نے آ کے سارے اناج، سبزی، پھل، چاروں نوجوان، بھیڑوں اور

بکریوں کو اپنی بڑی چادر کے ایک کونے میں باندھ لیا، اور اپنے کندھے پر ڈال کر قلعہ کے اندر چلا گیا۔

قلعہ کے اندر جا کر وہ سیدھا باورچی خانہ میں گھس گیا۔ جہاں بڑے بڑے چولہے جل رہے تھے۔ دیو نے اناج کو الگ رکھا سبزی ترکاری کو الگ رکھا۔ بھیڑ بکریوں کو الگ رکھا اور موہن کو اٹھا کے چاروں نوجوانوں کے ساتھ یوں باندھ دیا جیسے رسوئیا ساگ کی ایک گڈی کو دھاگے سے باندھ دیتا ہے۔

"ہا!ہا! آج ہماری رعایا نے چار کے بجائے پانچ انسان ہماری دعوت کے لیے بھیجے ہیں۔" دیو خوشی سے گرجا اور باقی دیووں کو یہ خوشخبری دینے کے لیے چلا گیا۔

جب دیو چلا گیا تو موہن نے باقی ساتھیوں سے کہا "آؤ اس رسی کو توڑ ڈالیں اور باہر بھاگ چلیں۔"

"بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ اپنی قسمت سے بھاگ کر آدمی کہاں جا سکتا ہے۔" وہ چاروں بولے۔

موہن رسی کو توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں دیو باقی ساتھیوں کو لے کے آ گیا۔ یہ ساتوں دیو موہن کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ "ہماری رعایا سمجھدار ہوتی جا رہی ہے۔"

ایک دیو بولا جس کے سر پر سفید سینگ اُگے تھے۔

"ہاں کل سے آپ انہیں حکم دے دیجیے کہ ہر روز پانچ انسان ہمارے کھانے کے لیے بھیجا کریں۔" سفید سینگ والے دیو نے باورچی خانے میں کام کرنے والے دیو سے کہا "اب جلدی سے کھانا تیار کر ڈالو اور سب سے پہلے ان کو پکالو۔"

"دیو نے موہن اور دوسرے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا" دیو نے رسی کھول دی اور موہن اور دوسرے سب نوجوانوں کو صاف کرنے کے لیے ایک ڈول میں ڈال دیا اور خود چھری لینے کے لیے کچن کے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

موہن نے اپنے ساتھیوں سے کہا "آؤ یہاں سے بھاگ چلیں، موت سر پر منڈلا رہی ہے۔"

"ارے بھائی ہمیں مرنے دو نا۔ آرام سے سونے دو نا۔" ان چاروں نے بڑے تھکے ہوئے لہجہ میں کہا۔

موہن ہمت کر کے ڈول سے جو اچھلا تو ایک مچھلی کی طرح تڑپ کر نیچے فرش پر آ گیا اور وہاں سے جلدی سے بھاگ کر بڑے بڑے برتنوں کی قطار کے پیچھے سے ہوتا ہوا باورچی خانے کے باہر چلا گیا، اور ایک اندھیری سیڑھی کے پیچھے

جا کے چھپ گیا۔

تھوڑی دیر میں بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ دیو اسے ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ مختلف کمروں میں سامان اٹھا کے پٹخا جا رہا تھا اور موہن سیڑھی کے نیچے چھپا ہوا اپنی زندگی کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ یکا یک سیڑھیوں کے اوپر دو دیوؤں کی گفتگو سنائی دی۔ ''آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

''سفید سینگ کہاں ہے؟''

''وہ شنکھ والے کمرے کے باہر پہرہ دے رہا ہے۔''

''اسے بلاؤ نا۔ اس کی ناک تو انسان کو فوراً سونگھ لیتی ہے۔ ذرا سی دیر میں کیا ہو جائے گا۔ شنکھ تو تالے کے اندر ہے۔''

''اچھا بلاتا ہوں۔''

ایک دیو واپس گیا۔

دوسرا سیڑھیوں کے اوپر سفید سینگ کو بلانے گیا۔

موہن جلدی سے قدم اٹھا کے آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا اس کا خیال تھا کہ اس موقع پر دیو پلٹ کے نہیں دیکھے گا۔ اس کا خیال ٹھیک نکلا۔ دیو دھم دھم کرتا ہوا سفید سینگ کے پاس گیا جو شنکھ والے کمرے کے باہر پہرے دے رہا تھا۔ سفید سینگ والا دیو اس دیو کو دیکھتے ہی بولا۔

''مانس گندھ۔ مانس گندھ''

''کہاں ہے مانس گندھ؟'' دوسرے دیو نے بڑی سختی سے چلا کر کہا۔ ''اسی لیے تو میں آیا ہوں کہ وہ پانچواں انسان بھاگ گیا ہے۔ تم چل کے اسے تلاش کرو۔''

''مگر یہ شنکھ؟''

''یہاں میں پہرہ دیتا ہوں۔''

دیو گھوما۔ موہن بھی اس کے پیچھے پیچھے گھوم گیا۔

سفید سینگ بولا ''مجھے تم سے مانس گندھ آتی ہے۔''

''کہاں سے آتی ہے؟ میرے جیب ٹٹول کے دیکھ لو۔ میں نے کسی انسان کو نہیں چھپا رکھا ہے۔''

سفید سینگ اس کی جیب ٹٹولنے لگا۔ موہن پیچھے سے بھاگ کے شنکھ والے کمرے کے اندر چلا گیا۔

جب سفید سینگ کو کالے سینگ کی جیبوں میں سے کوئی انسان نہ ملا تو اس نے شنکھ والے کمرے کو تالا لگا دیا اور چابی جیب میں رکھ کے دوسرے دیو کو ساتھ لے کر نیچے باورچی خانہ میں چلا گیا۔ ادھر موہن نے دروازہ بند ہوتے دیکھ کر ذرا اطمینان کا سانس لیا، اور ادھر ادھر دیکھا، کمرے کے چاروں طرف بڑے بڑے پنجرے لٹکے ہوئے تھے، جن میں گانے والے خوش آواز پرندے تھے۔ بلبل، مینا، طوطے وغیرہ اپنی

اپنی بولیاں بول رہے تھے اور راگ سنا رہے تھے۔ کمرے کے بیچ میں ایک بہت بڑی میز پر مخمل کے کپڑے کے اوپر شنکھ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ موہن خوشی سے چلایا۔ اور جلدی سے بھاگ کر میز کی طرف گیا۔ اب جان بچ گئی۔ موہن نے سوچا۔ میں اس شنکھ کو اٹھا کر ابھی بجانا شروع کرتا ہوں اور اس کی آواز سے دیو لوگوں کے دماغ پھٹ جائیں گے، اور پھر یہ ساری وادی بیدار ہو جائے گی۔

یہ سوچ کر موہن نے شنکھ کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ایک آواز آئی۔ ”خبردار“

موہن نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا۔ اسے خیال ہوا شاید اسے کسی نے دیکھ لیا ہے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس نے پھر شنکھ کو ہاتھ لگایا تو پھر آواز آئی ”خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔“

موہن بڑا حیران ہوا ”اُفوہ! تو آپ بولتے ہیں؟“

”ہاں شنکھ کا کام بولنا ہے۔ میں کیوں نہ بولوں؟“

”مگر آپ کو تو...... میرا مطلب ہے لوگ شنکھ کو منہ سے بجاتے ہیں۔ مگر آپ خود بخود بولتے ہیں۔“

”ہاں میں خود بخود بولتا ہوں۔“

”تو چلیے۔ میں آپ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے لیتا ہوں۔ آپ بولنا شروع کیجیے۔ زور زور سے تاکہ دیوؤں کے کان پھٹ جائیں۔“

”اچھا اٹھاؤ مجھے۔“

”موہن نے شنکھ کو اٹھانے کی کوشش کی مگر شنکھ بہت بھاری تھا۔ موہن سے اٹھایا نہیں گیا۔

”آپ تو بہت بھاری ہیں۔“

”تو میں کیا کروں۔“

”تو آپ یہیں سے چلانا شروع کر دیجیے۔“

”نہیں!“ شنکھ بولا ”جب تک کوئی مجھے اٹھا کر اپنے منہ تک نہ لے جائے گا۔ میں نہیں چلا سکتا۔“

”مگر میں آپ کو نہیں اٹھا سکتا۔“ موہن بولا۔

”تو میں چلا نہیں سکتا۔“

”آپ بہت بھاری ہیں۔ شنکھ تو اتنا بھاری نہیں ہوتا۔ سیپ کا شنکھ تو بہت ہلکا ہوتا ہے۔“ موہن نے کہا۔

”میں کوئی معمولی شنکھ نہیں ہوں۔“ شنکھ نے جواب دیا۔

”میں لوگوں کو جگانے والا شنکھ ہوں، مجھے اٹھانے کے لیے طاقت چاہیے۔“

”مگر میں تو ایک معمولی لڑکا ہوں۔“ موہن نے اداسی سے کہا۔ ”کیا آپ کا وزن کسی طرح سے کم نہیں ہو سکتا؟“

”ہو سکتا ہے۔“ شنکھ بولا۔ ”مگر اس کے لیے تمھیں پھر سے درخت پر جانا ہوگا۔ اور تین میل اوپر چڑھ کر جب ایک بڑی ڈال......“

”بائیں طرف یا دائیں طرف؟“ موہن نے بات کاٹ کر شنکھ سے پوچھا۔

”دائیں طرف۔ تو اس ڈالی پر تین میل چل کر ایک

ہیروں کا جڑا ہوا دروازہ آئے گا۔ دروازہ کے اندر چلے جانا۔ مگر خبردار دروازہ کو ہاتھ نہ لگانا۔ اندر جاؤ گے تو دو سو گز اونچی سیڑھی ملی گی۔ سیڑھی کے اوپر چڑھتے جانا۔ خبردار جو سیڑھیوں کے دو طرف کی سونے کی دیواروں کو ہاتھ لگایا۔ سیڑھی چڑھ کے تمھیں ایک عالی شان کمرہ ملے گا۔ اس کمرے کی ہر چیز سونے کی ہوگی، حتیٰ کہ اس کمرے کے اندر جو آدمی ہوگا اس کا جسم بھی سونے کا ہوگا۔ اس آدمی کے پاس ایک کوا ہے جس کی چونچ میں چاندی کی ڈبیا ہے۔ اس ڈبیا کے اندر گلاب کا ایک پھول ہے۔"

"گلاب کا پھول؟"

"ہاں گلاپ کا پھول۔ اور اس گلاب کے پھول میں یہ خاصیت ہے کہ یہ پھول کبھی نہیں مرجھاتا۔ ہمیشہ تروتازہ اور خوشبودار رہتا ہے۔ اگر تم اس آدمی سے وہ گلاب کا پھول لے آؤ اور اس کو مجھ سے چھوا دو تو میں بھی پھول کی طرح ہلکا ہو جاؤں گا۔ پھر تم مجھے اپنے ہاتھ میں اٹھا لینا اور میں ان ظالم دیوؤں کو مار دوں گا۔"

"ہش! وہ دروازہ کھلا۔" شنکھ نے کہا۔

موہن جلدی سے مڑا۔ مگر دروازہ دیو نے کھول لیا تھا اور اس نے موہن کو دیکھ لیا۔ سفید سینگ نے ایک خوشی کی چیخ مار کر موہن کو اپنی مٹھی میں پکڑ لیا۔ وہ اسے اپنی مٹھی میں کچلنے ہی کو تھا کہ شنکھ نے آہستہ سے کہا۔

"دیو جی مہاراج، اس بچے کو چھوڑ دیجیے۔"

"کیوں؟"

"یہ آپ کی وادی کا بچہ نہیں ہے۔ یہ باہر سے آیا ہے۔ یہ سوتے انسانوں کا بچہ نہیں ہے۔ یہ جاگتے انسانوں کا بچہ ہے۔ میں اس سے باتیں کروں گا تو میرا دل بہلا رہے گا۔ میرا کہنا مانیے تو اسے ایک پنجرے میں بند کر کے میرے قریب رکھ دیجیے۔ میرا دل اس سے باتیں کرنے کو چاہتا ہے۔"

"مگر میرا دل اسے کھانے کو چاہتا ہے۔"

"جب میرا جی اس سے باتیں کر کے بھر جائے گا تب آپ اسے کھا لیجیے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے" دیو بولا۔

دیو نے موہن کو ایک بڑے پنجرے میں اس طرح بند کر دیا جس طرح لوگ ایک طوطے یا مینا کو پنجرے میں بند کرتے ہیں پھر اسے شنکھ کے سامنے رکھ دیا اور دروازہ بند کر کے تالا لگا کے چلا گیا۔

جب دوسرا دن بھی گزر گیا اور موہن نہیں آیا تو شہزادی بہت پریشان ہوئی اور بوڑھے سے کہنے لگی ذرا جادو کے آئینے

میں دیکھو موہن کہاں ہے؟"

بوڑھے نے آئینے کے تار جوڑے آئینے کی سطح پہلے تو بے حد گدلی ہوگئی۔ جیسے چاروں طرف سے طوفان چھا رہا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد مطلع خود بخود صاف ہوگیا۔اب آئینے میں ایک پنجرا لٹکا ہوا نظر آرہا تھا۔اس پنجرے میں موہن بند تھا۔

"موہن!" شہزادی زور سے چلائی۔

"موہن نے پنجرے سے ایک ہاتھ باہر نکال کر کہا "شہزادی مجھے بچاؤ۔"

شہزادی نے موہن کا ہاتھ پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو ہاتھ لگاتے ہی اندھیرا چھا گیا، اور موہن آئینے کی سطح سے غائب ہوگیا۔

شہزادی مایوس ہوکر بوڑھے کی طرف پلٹی اور رو رو کر بولی۔

"میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں موہن کو کسی طرح بچالیجیے۔"

بوڑھے نے کہا "موہن ایک ہی صورت بچ سکتا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اگر کوئی سوتوں کے شہر کے دیوؤں کو مار دے اور موہن کو پنجرے سے نکال لے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ان دیوؤں کے مارنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔" شہزادی نے پوچھا۔

"ان دیوؤں کی جان ایک پہاڑی کوے میں ہے اور اس کوئے کا پنجرا سوتوں کے شہر سے سو میل دور ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر ایک بہت بڑے قلعے کے اندر لٹکا ہوا ہے۔ اگر کوئی اس کوے کی چونچ میں دبی ہوئی چاندی کی ڈبیا کھول کر اس میں سے گلاب کا پھول نکال لے اور کوئے کو مار دے تو سوتوں کے شہر کے دیو مرجائیں گے۔ پھر اگر گلاپ کے پھول کو موتیوں کے شنکھ کے اوپر رکھ دیا جائے تو موہن کا پنجرا خود بخود کھل جائے گا اور موتیوں والا شنکھ گلاب کے پھول کی طرح ہلکا ہوجائے گا۔ پھر وہ شنکھ آسانی سے اٹھا کر پادری کو دیا جاسکتا ہے اور پادری سے اس کے گلے کا لعل لے کر یوسف کی جان بچائی جاسکتی ہے۔"

شہزادی رونے لگی اور بولی "یہ سب کچھ ایک دن میں تو کیا ایک ہفتہ میں بھی نہیں ہوسکتا۔"

"بوڑھے نے اسے ہمت دلائی اور بولا۔" اگر تو کوئی شہزادی ہے تو واقعی اس کام کو نہیں کرسکتی۔ لیکن اگر تو ڈبل روٹی والے کی لڑکی ہے تو اس کام کو ضرور کرسکتی ہے۔"

شہزادی بولی'' میں سچ مچ ڈبل روٹی والے کی لڑکی ہوں۔''

''تو میرا یہ عصا لے جا۔'' بوڑھے نے اپنا پروں والا عصا اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔''اس وقت پیدل چلنے سے کام نہ ہوگا۔اس عصا پر گھوڑے کی طرح سواری کی جاسکتی ہے۔جتنی دیر تک تو اس کے پروں پر ہاتھ رکھے رہے گی۔ یہ عصا ہوا میں اڑتا چلا جائے گا۔جب اس کے پروں پر سے ہاتھ اٹھا لے گی تو یہ عصا خود بخود ہوا میں اڑنا بند کردے گا،اور زمین پر اتر آئے گا۔''

شہزادی نے عصا پر سوار ہو کر کہا'' چل مجھے پہاڑ کو ے کے پنجرے کے پاس لے چل۔''

اتنا سنتے ہی عصا کے پر زور زور سے پھڑ پھڑانے لگے۔ چند لمحوں کے بعد شہزادی ہوا میں اڑی چلی جارہی تھی۔الٹے درخت کی شاخیں میلوں تک اس کی نگاہ کے نیچے پھیلتی جارہی تھیں۔کچھ عرصے کے بعد عصا ایک طرف کو مڑ گیا۔اب عصا ایک گہری غار میں سے گزر رہا تھا۔شہزادی کو بہت ڈر لگا۔مگر وہ بڑی مضبوطی سے عصا کے پروں پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد عصا سوتوں کے شہر کی وادی کے اوپر اڑ رہا تھا۔ اوپر اور اوپر، عصا بادلوں میں غائب ہوگیا۔ اب چاروں طرف دھند ہی دھند تھی۔ بادل ادھر ادھر آتے جاتے، ارنے بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے۔بجلی کی کڑک پیدا ہوتی۔ بادل گرجنے لگتے۔شہزادی کے سارے کپڑے پانی میں شرابور ہوگئے۔مگر شہزادی بہت ہی مضبوطی سے عصا کے پروں پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی۔آخر عصا بادلوں سے بھی اونچا اڑنے لگا۔

پھر شہزادی نے دیکھا کہ بادلوں سے بھی اونچا ایک پہاڑ ہے۔اس پہاڑ پر نہ کہیں کوئی درخت ہے، نہ گھاس ہے، نہ جھاڑیاں۔بس چاروں طرف برف ہی برف پڑی ہے، اور بڑی بڑی چٹانوں کے اوپر کہیں کہیں آدمیوں کی ہڈیاں اور پنجر بکھرے پڑے ہیں، اور یہ پنجر پہاڑ کی ڈھلانوں سے لے کر اس کی چوٹی تک بکھرے پڑے تھے۔عصا اب پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پہاڑ کی چوٹی پر ایک خوبصورت قلعہ تھا جو قدرے سونے کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔جب شہزادی قلعے کے قریب پہنچی تو اس نے دیکھا کہ واقعی قلعہ سونے کا بنا ہوا ہے۔اینٹیں، دیواریں اور دروازے، سیڑھیاں، کھڑکیاں ہر چیز سونے کی بنی ہوئی تھی۔

سب سے اونچے برج پر نہری تار کے پردے سرسرا رہے تھے۔اس برج کی چھت سے ایک طلائی زنجیر لٹک رہی تھی۔ اس زنجیر سے ایک پنجرا لٹک رہا تھا۔اس پنجرے میں ایک کوا اپنی چونچ میں چاندی کی ایک چھوٹی سی ڈبیا دبائے بیٹھا تھا۔ برج کے فرش پر چاروں طرف خوفناک شیر مونہہ کھولے بیٹھے تھے۔شہزادی کو دیکھ کر دہاڑنے لگے۔

شہزادی نے ڈرتے ہوئے کہا''اعصا اوپر اڑو۔''

عصا قلعے کے بالکل اوپر اڑنے لگا۔

شہزادی کچھ سوچنے لگی۔تھوڑی دیر کے بعد شہزادی نے عصا سے کہا'' مجھے قلعے کے دروازے پر لے چلو۔''

عصا چکر کاٹتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ جب وہ قلعے کے دروازے پر پہنچا تو شہزادی نے پروں پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔عصا ایک دم قلعے کی سیڑھیوں پر رک گیا، اور شہزادی ٹھوکر کھاتے

کھاتے بچی۔ عصا کو ہاتھ میں لیے شہزادی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی قلعے کے دروازے پر آئی۔ اس نے دیکھا کہ دروازہ بالکل کھلا تھا۔

شہزادی قلعے کے اندر ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کہیں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔

"کوئی ہے؟ کوئی ہے؟"

شہزادی کی آواز گنبد سے ٹکرا کے واپس آئی۔ پھر چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔

شہزادی ڈرتے ڈرتے آگے بڑھی۔ بڑے ہال سے گزر کر اونچی سیڑھیوں کی ایک اور لمبی قطار آئی تھی جس کے اوپر بہت سے انسانوں کے پنجر پڑے تھے۔ شہزادی یہ سیڑھیاں بھی چڑھ گئی۔ سیڑھیوں کے اوپر کا دروازہ بند تھا۔ شہزادی نے ہاتھ سے زور لگا کے دروازہ کھولنا چاہا۔ مگر دروازہ نہیں کھلا۔ عصا کے چھوتے ہی دروازہ 'چرررر' کر کے خود بخود کھلنے لگا۔

شہزادی آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئی۔ یہ ایک بہت بڑا عالی شان کمرہ تھا۔ چھت پر ہیرے جواہرات کے فانوس لٹک رہے تھے۔ سونے کی دیواروں میں خوشنما کٹی ہوئی باریک باریک سونے کی جالیاں تھیں۔ ان سے دھیمی دھیمی روشنی چھن چھن کے آ رہی تھی۔ شہزادی کے قدم ایک بہت ہی خوبصورت دروازے پر آ کے رک گئے جو سالم نیلم کا بنا ہوا تھا۔ شہزادی نے دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

شہزادی نے چلا کے کہا "کوئی ہے؟"

"کوئی ہے؟ کوئی ہے؟" شہزادی کے آواز گنبد سے ٹکرا کر لوٹ آئی۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد چاروں طرف سے قہقہوں کی آواز آنے لگی۔ "ہا ہا کس کو ڈھونڈتی ہو۔ ہاہاہا۔ کوئی ہے؟ ارے بھئی یہاں سب کوئی ہیں! تم کس کو ڈھونڈتی ہو؟ ہاہاہا۔ اندر آ جاؤ۔"

شہزادی ڈرتے ڈرتے دروازے کے اندر داخل ہوئی۔

اس کمرے میں ایک پورا درخت سونے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی شاخوں میں جواہرات جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سونے کی دیواروں میں جالے لگے تھے۔ مگر وہ بھی سونے کے تھے۔ زمین پر مٹی پڑی تھی۔ میز کرسیاں گلدان ہر چیز سونے کی تھی۔ مگر گرد سے اٹی پڑی تھی۔ شہزادی نے ہاتھ لگا کے دیکھا۔ یہ گرد بھی سونے کی تھی۔

...جاری

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

کچھ اور بڑھ گئے ہیں اندھیرے تو کیا ہوا
مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

گو سیہ بخت ہیں ہم لوگ پہ روشن ہے ضمیر
خود اندھیرے میں ہیں دُنیا کو دِکھاتے ہیں چراغ

جواں ہمت سبق لیتے ہیں دنیا میں حوادث سے
زبوں ہمت جو ہوتے ہیں وہ پچھتایا ہی کرتے ہیں

کم ہمتی سے کیوں نہ ہو توہینِ زندگی
انسان کا وقار تو عزمِ جہاں میں ہے

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش
گُلِ مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

بہے زمیں پہ جو میرا لہو تو غم مت کر
اسی زمیں سے مہکتے گلاب پیدا کر

ہیں ابھی صد ہا گہر اس ابر کی آغوش میں
برق ابھی باقی ہے اس کے سینۂ خاموش میں

آسمانوں سے پوچھ نہ منزل کا راستہ
اپنے سفر میں راہ کے موتی تلاش کر
ذرے سے کائنات کی تفسیر پوچھ لے
قطرے کی وسعتوں میں سمندر تلاش کر

یاد کرتا ہے زمانہ انہیں انسانوں کو
روک لیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

نہ گھبرا کثرتِ غم سے حصولِ کامیابی میں
کہ شاخِ گل میں پھول آنے سے پہلے خار آتے ہیں

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمت کرے انساں تو کیا ہو نہیں سکتا

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

حلقہ کیے بیٹھے رہو اِک شمع کو یارو
کچھ روشنی باقی تو ہے، ہر چند کہ کم ہے

شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے
گھستے گھستے گھس گئے آخر کنکر جو نوکیلے تھے

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

حالات کے قدموں پہ قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے بھی جو تارا تو زمیں پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

تیغ بکف جب لوگ تھے ایسے عالم میں
میرے ہاتھ سے صرف قلم وابستہ تھا

ممکن ہے نکل آئے یہاں کوئی مسافر
صحرا میں لگاتے چلو دو چار شجر اور

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

میرے ہاتھ میں قلم ہے میرے ذہن میں اُجالا
مجھے کب ڈرا سکے گا کوئی ظلمتوں کا پالا
مجھے فکرِ امنِ عالم تجھے اپنی ذات کا غم
میں طلوع ہو رہا ہوں تو غروب ہونے والا

خونِ تازہ بن کے دوڑوں گا بہاروں کی رگوں میں
خاک بھی ہو جاؤں گر، اِس شہر کی آب و ہوا سے

مرے افکار میرے ہم سفر ہیں
میں اپنی ذات میں اک قافلہ ہوں

محمد انور حسین ربانی

علم

(1) علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔
(2) علم ایک ایسا پھول ہے جس کی خوشبو کبھی ختم نہیں ہوتی۔
(3) علم ایک ایسا سرمایہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔
(4) علم ایک ایسا چراغ ہے جو ہر طوفان کا سامنا کرتا ہے۔
(5) علم ایک ایسا سورج ہے جو کبھی نہیں ڈوبتا۔
(6) علم ایک ایسا چاند ہے جو دن رات چمکتا ہے۔
(7) علم ایک ایسا دوست ہے جو ہر مشکل وقت پر کام آتا ہے۔
(8) علم ایک ایسا ہم سفر ہے جو کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔
(9) علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا۔
(10) علم زندگی ہے اور جہالت موت۔
(11) علم طاقت ہے اور جہالت کمزوری۔
(12) علم سب سے عظیم دولت ہے۔
(13) علم گلشن حیات میں بہار لاتا ہے۔
(14) علم انسان کو عروج بخشتا ہے۔
(15) علم انسان کو باادب بناتا ہے۔
(16) علم انسان کو باصلاحیت بناتا ہے۔
(17) علم انسان کو باوقار بناتا ہے۔
(18) علم اچھے، برے کی تمیز سکھاتا ہے۔
(19) علم ترقی کا سبب ہوتا ہے۔
(20) علم تخیلات کے دروازے کھول دیتا ہے۔
(21) علم انسان کو اخلاق کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔
(22) علم کے بغیر زندگی مانندِ خزاں ہوتی ہے۔
(23) علم کے بغیر کوئی بھی شخص فلاح نہیں پا سکتا۔
(24) علم صاحبِ علم کا محافظ ہوتا ہے۔
(25) علم حاصل کرنے کی کوئی مخصوص عمر نہیں ہوتی۔

■

Mohd Anwar Husain Rabbani
Surat, Gujrat

محمد طاہر صدیقی

دولت

1. دولت عزت دے سکتی ہے لیکن سچی خوشی نہیں۔
2. دولت کسی کا نام بدل سکتی ہے لیکن قسمت نہیں۔
3. دولت نرم گرم بستر دے سکتی ہے لیکن نیند نہیں۔
4. دولت مسجد، مندر بنا سکتی ہے لیکن ایمان نہیں۔
5. دولت سے کتابیں خریدی جا سکتی ہیں لیکن علم نہیں۔
6. دولت سے خون خریدا جا سکتا ہے لیکن زندگی نہیں۔
7. دولت سے کوٹھی خریدی جا سکتی ہے لیکن سکون نہیں۔

■

Mohd Tahir Siddiqui
N/ 139-B1, Qadri Masjid Gali, Abul Fazal Enclave, New Delhi- 110025

آزمائش

انصاری محمد انس محمود حسین وصی اللہ

معلومات کی کسوٹی

(1) تاریخ اسلام کے سب سے کامیاب سپہ سالار کون تھے؟
(2) شاہجہاں کی بیوی 'ممتاز محل' کا اصل نام کیا تھا؟

(3) مشہور سپہ سالار صلاح الدین ایوبی کا اصل نام کیا تھا؟
(4) گیٹ وے آف انڈیا (ممبئی)، برطانیہ کے کس بادشاہ کی بھارت میں آمد پر تعمیر کیا گیا؟
(5) اس پاکستانی وزیراعظم کا نام بتایئے جنھیں پھانسی کی سزا دی گئی؟
(6) بھارت کا سب سے پرانا فٹ بال کلب کون سا ہے؟
(7) بلراج کس بھارتی اداکار کا اصل نام ہے؟

(8) ہندوستان کا شیکسپیئر کسے کہا جاتا ہے؟
(9) لغت کس زبان کا لفظ ہے؟
(10) طوطی ہند کسے کہا جاتا ہے؟
(11) بلبلِ ہند کسے کہا جاتا ہے؟

(12) پھٹکری کا کیمیائی نام بتایئے؟
(13) ذیابیطس کے مریض کا کون سا حصہ صحیح کام نہیں کرتا ہے؟
(14) بجلی کا سب سے اچھا موصل کیا ہے؟
(15) آواز کا اثر کتنی دیر تک قائم رہتا ہے؟
(16) کون سا پرندہ اپنا گھونسلہ پانی کی سطح پر بناتا ہے؟

(17) خدائی خدمت گار تنظیم کس نے قائم کی؟

(18) مشہور امریکی سیاح کرسٹوفر کولمبس کو کتنی مرتبہ دفن کیا گیا؟

(19) دی ٹائمس آف انڈیا نامی مشہور اخبار کب جاری کیا گیا تھا؟

(20) کتاب الخلوص کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

(21) ہندوستان کا قومی نام کیا ہے؟

(22) مسلسل چار مرتبہ منتخب ہونے والے امریکی صدر کا نام کیا ہے؟

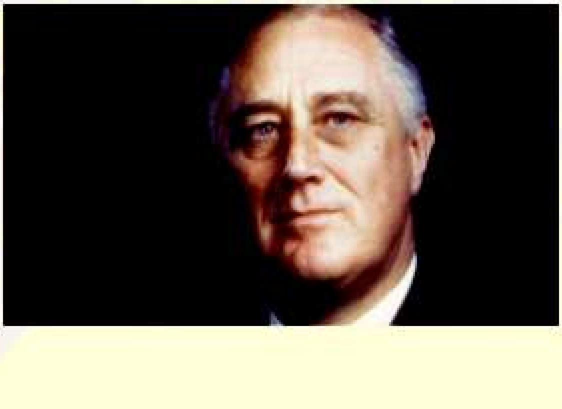

(23) نپولین بوناپارٹ کی بیوی کا نام بتایئے؟

(24) دنیا کی سب سے پہلی خاتون پائلٹ کا نام بتایئے؟

(25) محمد علی جوہر نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں کس مضمون کی تعلیم حاصل کی تھی؟

■

Ansari Mohammad Anas Mahmood Husain Wasiullah
Molvi Ganj, Suraj Mill Gate, Shaikhulhind Chowk Near Iqbal Tailor Dhulia (MS)
Mob.: 09175016965

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں۔

ہنسی کے غبارے

ایک کمپنی کے مالک نے اپنے یہاں نوکری کے لیے آئے امیدوار سے کہا ابھی تو تمھیں ماہانہ تیس روپے تنخواہ ملے گی۔ چھ مہینے بعد پانچ سو روپے ملیں گے۔ یہ سن کر امیدوار نے جواب دیا ٹھیک ہے صاحب میں چھ مہینے بعد ہی کام پر آجاؤں گا!

ازکا جان، دوسری جماعت شیخ العالم اسکول، سلر، کشمیر

عبدل: (منان سے) ''یار میری گائے سوکھی گھاس نہیں کھاتی اور آج کل ہری گھاس ملتی نہیں...''

منان: ''میری گائے سوکھی گھاس نہیں کھاتی تھی... پر اَب کھانے لگی ہے...''

عبدل: ''وہ کیسے...؟''

منان: میں نے اسے ہرے رنگ کا چشمہ پہنا دیا ہے...''

آرزو بانو فاروقی، 703، واڈ گھر، پنویل، ضلع: رائے گڑھ، نوی ممبئی

ٹیچر: وہ تین لفظ بتاؤ جو سب سے زیادہ بولے جاتے ہیں۔

طالب علم: مجھے نہیں پتہ۔

ٹیچر: شاباش بیٹا بیٹھ جاؤ۔

محمد علی، بھارت ہارڈ ویئر اسٹور، منڈی بازار، برہان پور

ایک پاگل ایک قبرستان سے گزر رہا تھا۔ اس نے قبر پہ کتبہ دیکھا جس پر لکھا تھا ایک کامیاب اور دیانت دار وکیل۔ پاگل نے سر کھجاتے ہوئے دوبارہ پڑھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ تعجب ہے ایک ہی قبر میں دو آدمی کس طرح دفن کر دیے گئے۔

ضیاء عالم، حیدرآباد

ماں: بیٹے سے، ارے خالد تم نے یہ اینٹ سر پر کیوں رکھی ہے؟

بیٹا: امی سے، ماسٹر صاحب نے کہا تھا دماغ پر زور دو گے تو سب یاد ہو جائے گا۔

ضیاء عالم، حیدرآباد

ایک شاعر نے اپنے نئے ملاقاتی سے پوچھا: حضور کیا آپ ادب سے شوق رکھتے ہیں؟

ملاقاتی جو ایک مالدار تاجر تھا بولا: کبھی کبھار کوئی کتاب پڑھ لیتا ہوں یوں مجھے ادب سے کچھ زیادہ شوق نہیں ہے۔

ایک شاعر نے فوراً کہا: اس کا مطلب ہوا کہ آپ بے ادب ہیں۔

ایک راہ گیر نے شیخ صاحب کے مکان کی گھنٹی بجائی۔ شیخ صاحب نے باہر نکل کر حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا: فرمائیے کیسے زحمت فرمائی۔ راہ گیر: جناب آپ اپنے لڑکے کو سمجھائیے کہ راہ گیروں پر پتھراؤ نہ کرو۔ وہ کئی دفعہ مجھے پتھر مار چکا ہے، مگر میں ہر بار بچ گیا۔

رزق کی بربادی

سحر اسعد

ارے او کریم کے بچے! تو نے یہ کیسا انڈا فرائی کیا ہے؟ تانیہ چیخی۔ کریم بے چارہ سہم گیا۔ اس نے فوراً دوسرا انڈا فرائی کیا اور تانیہ کے سامنے رکھا۔ تب جا کر تانیہ نے ناشتہ کیا۔ یہ اس گھر کا روز کا قصہ تھا۔ کبھی انھیں انڈا جلا ہوا لگتا تو کبھی کھانے میں نمک زیادہ معلوم ہوتا اور پھر اس پر یہ کہ بچا ہوا کھانا کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا تھا۔

کریم اس گھر کا باورچی تھا۔ وہ اپنا ہر کام احسن طریقے سے کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی گھر کے مکینوں کو اس سے کوئی نہ کوئی شکایت رہتی تھی۔ وہ ایک غریب آدمی تھا اور بڑی مشکل سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔

آج بھی جب تانیہ نے دوسرا انڈا فرائی کرنے کو کہا اور یہ بھی کہ اس 'جلے' انڈے کو کوڑے دان میں پھینک دے۔ لیکن جب کریم نے انڈے کو کوڑے دان میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو اس کو خیال آیا کہ آج اس کے بچے بھوکے ہیں ان کو کیا کھلاؤں گا۔ یہ سوچ کر اس نے انڈے کو اپنی پوٹلی میں رکھ دیا۔ جب اس کا کام ختم ہو گیا اور وہ گھر جانے لگا تبھی گھر کی بیگم صاحبہ کچن میں آئیں۔ انھوں نے پوٹلی دیکھی تو پوچھا: ''اس میں کیا ہے؟'' کریم نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ بچا ہوا انڈا ہے۔ یہ سن کر بیگم صاحبہ کا پارہ ساتویں آسمان پر پہنچا اور انھوں نے کریم کو چور، جاہل اور کمینہ جیسے برے القاب سے نوازا۔ اور ساتھ ہی انڈے کی پوٹلی اٹھا کر کوڑے دان میں پھینک دی۔

کریم کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے وہ بے حد دل برداشتہ ہو کر گھر سے نکل آیا۔ وہ ان کے لیے کتنی محنت کرتا تھا

اپنے کام پر گیا۔ لیکن جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا بیگم صاحبہ کی پھٹکار سنائی دی: ''کہاں تھے اتنے دنوں سے۔ نکمے! نکل جاؤ یہاں سے تمھاری نوکری ختم، آئندہ اپنی شکل مت دکھانا، لیکن بیگم صاحبہ! ام میری تنخواہ'' کریم نے دھیرے سے کہا ''بھاگ جاؤ یہاں سے کوئی تنخواہ نہیں ملے گی۔ ہونہہ احسان جتاتے ہیں۔'' بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

لیکن ان کو ذرا بھی احساس نہ تھا بلکہ وہ ہر کام میں مین میخ نکالتے تھے اور مہینے کے آخر میں ایک معمولی سی رقم تنخواہ کے نام پر پکڑا دی جاتی تھی حالانکہ ان کا بہت بڑا بزنس تھا۔ ہر ماہ لاکھوں روپے کمایا کرتے تھے لیکن ان کے دل بہت چھوٹے تھے۔ بچا ہوا کھانا بجائے اس کے کہ کوئی بھوکا انسان کھائے یا تو اس کو جانوروں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا یا پھر ڈسٹ بین میں۔ رزق کی بے قدری دیکھ کر کریم بے حد کڑھتا تھا۔ وہ سوچتا کہ اگر بیگم صاحبہ یہی کھانا اسے دے دیتیں تو اس کے بچوں کا پیٹ بھر جاتا۔

گھر پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ اس کے چھوٹے بیٹے کو بخار ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ کجا کہ دوائیاں خریدی جاتیں۔ کئی دن پریشانی میں کٹے۔ کچھ دن وہ کام پر بھی نہ جاسکا۔ بہت دنوں بعد جب اس کا بخار کچھ کم ہوا تو پھر وہ

وہ مرے مرے قدموں سے نکلا اور جب اپنے گھر پہنچا تو دیکھا کہ گھر کے پاس بھیڑ لگی ہوئی تھی اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ پریشان ہوگیا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا گھر تک پہنچا۔ آنگن میں اس کے بیٹے کی لاش رکھی ہوئی تھی اور پاس ہی اس کی بیوی بیٹھی بین کررہی تھی۔ اچانک کریم کا سر زور سے چکرایا اور بے ہوش ہوکر وہیں گر گیا۔

■

Sahar Asad
B-18/1 G, Salfia Marg, Reori Talab, Varanasi 221010 (UP)

حلیمہ سعدیہ

سیّدہ عائشہ آصف اقبال، درجہ: پنجم، اقرأ پرائمری اسکول، ناسک

حمدان خان، درجہ سوم، لعل فلاور اسکول، غفار منزل، نئی دہلی

محمد عمر انصاری

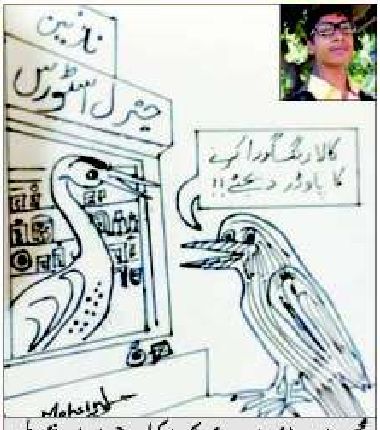

محسن جاوید، ڈی۔اے۔وی پبلک اسکول، جسولا وہار، نئی دہلی

انعم فردوس محمد حاذق، دادا دیوان اسکول، واشم

لوہاررانی بی افضل، درجہ:8، ڈیڈ-پی اردواسکول، سوبھاش نگر، ٹال شرپور

مومن صدیقہ امین احمد

نوشین

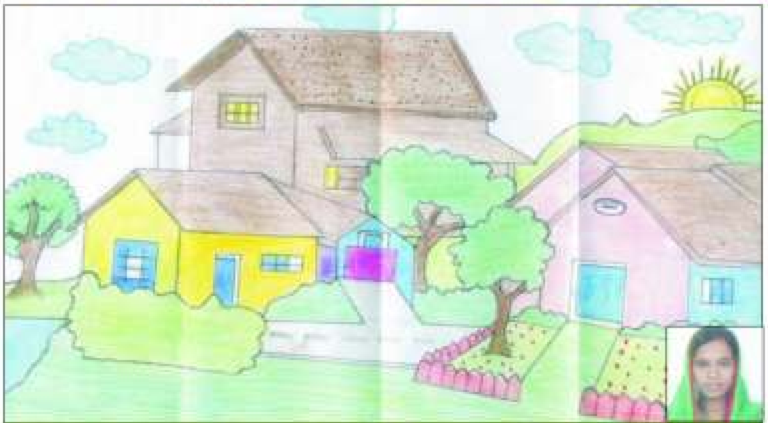

رضوانہ یونس منیار، درجہ: ششم، اردواسکول، ٹال شرپور

انتش صغیر، درجہ: پنجم، ڈی۔اے۔وی پبلک اسکول، گیا

اردو فیس بک Facebook

کافی اردو آگئی ہے

میں انگریزی میڈیم کا طالب علم ہوں۔ لیکن ابو کی مدد سے اردو سیکھتا رہتا ہوں۔ مجھے کافی اردو آگئی ہے۔ میں بچوں کی دنیا کے خوبصورت صفحات پر اپنا نام بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔

ادیان حسین ابن آصف حسین (مدرس)

درجہ: پنجم، نیوویژن انگلش اسکول بالاپور، جولی ہیں، مقام: بالاپور، آکولہ

بچوں کا محبوب رسالہ

مجھے بچوں کی دنیا بہت پسند ہے۔ میں ہر ماہ کا بچوں کی دنیا آپ کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھتا ہوں۔ اتنی کم قیمت میں اتنا اچھا رسالہ ۔۔۔۔ اتنی اچھی اچھی نظمیں اور اتنی اچھی کہانیاں۔ پڑھ کر دل خوش ہو جائے۔ میں بہت دنوں سے بچوں کی دنیا کے لیے یہ خط لکھنا چاہ رہا تھا۔ آج موقع ملا ہے۔ ادھر دو چار مہینوں سے بچوں کی دنیا اور بھی نکھر گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ بچوں کی دنیا ساری دنیا میں بچوں کا محبوب رسالہ بن جائے۔

نیر یحییٰ خاں

بیرک مائننگ، جبل سعید، سعودی عربیہ

بچوں کی رنگین دنیا

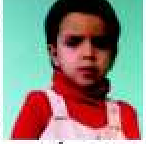

میں میرب انور ہوں اور مجھے پھول پودوں سے کھیلنا اچھا لگتا ہے۔ میں ہرے بھرے گاؤں میں رہتی ہوں اس لیے مجھے گاؤں کی ہریالی میں ایک سکون سا محسوس ہوتا ہے۔ میرے ابو نے اپنی تعلیم اردو میڈیم سے ہی پوری ہے۔ میری امی بھی اچھی اردو جانتی ہیں اور مجھے بچوں کی دنیا پڑھنے میں مدد کرتی ہیں۔ مجھے اس میں تصویریں بہت اچھی لگتی ہیں۔ اتنا اچھا اور رنگین بچوں کی دنیا دیکھ کر میں خوش ہو جاتی ہوں۔

میرب انور بنت انور احمد

گاؤں لگر من، جوگیارا، جھارکھنڈ

گھر میں اردو کا ماحول

میں درجہ دوئم میں پڑھتی ہوں اور میرے گھر میں اردو کا ماحول ہے۔ میرے ابو اور امی اپنی ذمے داریوں اور مصروفیت کے باوجود مجھے اردو سکھاتے رہتے ہیں۔ مجھے بچوں کی دنیا کی کہانیاں اور مضامین بہت اچھے لگتے ہیں۔

لائبہ فاطمہ

درجہ دوئم، 4 سی، ڈی ڈی اے فلیٹ، تیمور نگر، نئی دہلی

اردو سے لگاؤ

میرا نام محمد ادریس ہے۔ محمدیہ بوائز اردو ہائی اسکول دھولیہ میں دسویں جماعت مکمل کر چکا ہوں۔ مجھے اردو زبان سے بہت لگاؤ ہے۔ کئی رسالے پڑھتا ہوں۔ بچوں کی دنیا کا ہر ماہ بے صبری سے انتظار کرتا ہوں۔ اسی طرح مجھے نئے دوست بنانا بھی بہت پسند ہے۔ بچوں کی دنیا کی رنگینی کا کہنا ہی کیا۔

انصاری محمد اویس فیروز احمد

مومن پورہ، گلی نمبر 7، گھر نمبر 2010، دھولیہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

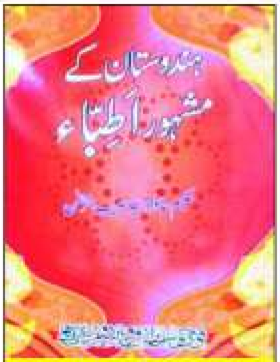

صفحات:273، قیمت:109 روپے

صفحات:179، قیمت:73 روپے

صفحات:192، قیمت: 67 روپے

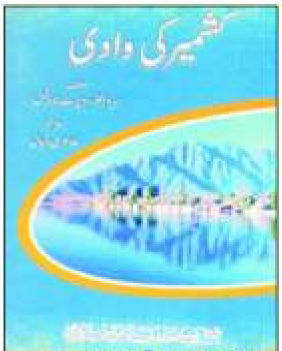

صفحات: 587، قیمت: 217 روپے

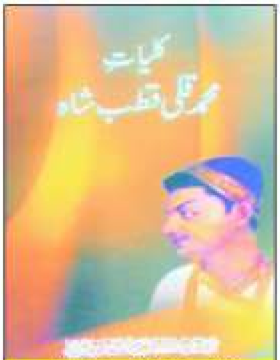

صفحات: 823، قیمت: 233 روپے

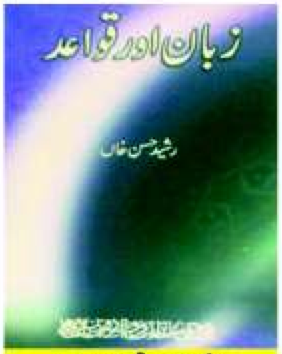

صفحات:416، قیمت:166 روپے

صفحات:142، قیمت:70 روپے

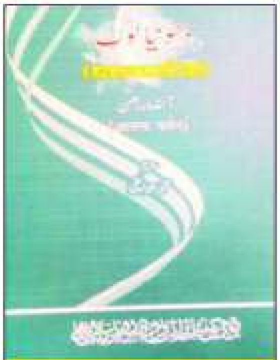

صفحات:80، قیمت:64 روپے

صفحات: 273، قیمت:109 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, December 2015, Vol. 03, Issue: 12
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2013-15
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/11/15
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

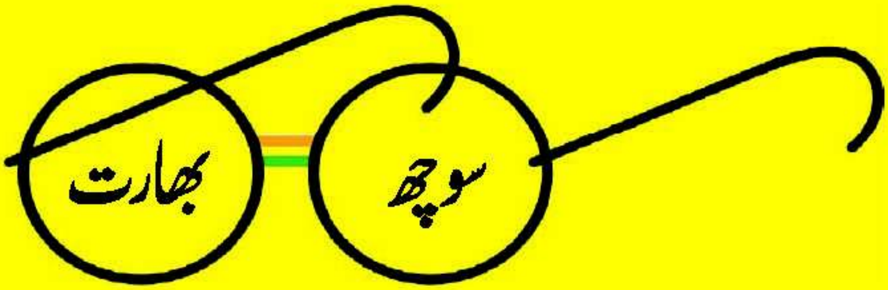

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

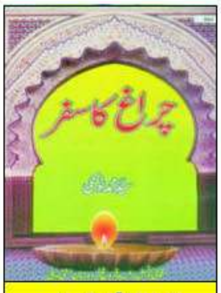

صفحات: 35، قیمت: 12 روپے

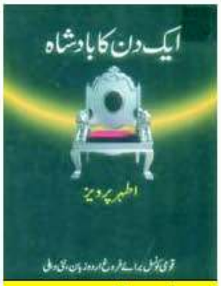

صفحات: 15، قیمت: 12 روپے

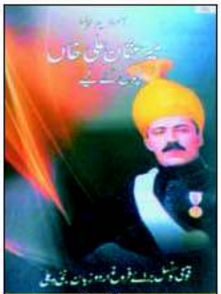

صفحات: 56، قیمت: 12 روپے

صفحات: 44، قیمت: 40 روپے

صفحات: 42، قیمت: 14 روپے

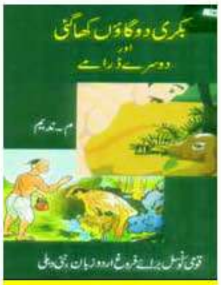

صفحات: 78، قیمت: 14 روپے

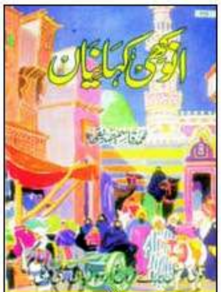

صفحات: 31، قیمت: 10 روپے

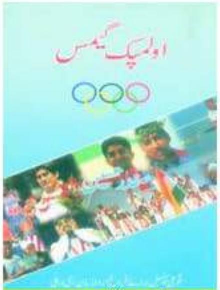

صفحات: 76، قیمت: 25 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025 and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area, Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor : Prof. Syed Ali Karim, Tel : 49539000